نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

صفر ۱۴۳۰ھ فروری ۲۰۰۹ء

مدیر:
حافظ زبیر علی زئی

- حق کے مقابلے میں مجادلہ
- نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت
- نذر اور تقدیر
- آلِ دیوبند اپنے خود ساختہ اصولوں کی زد میں!
- مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کا سفرِ آخرت

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک: پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 6 | صفر ۱۴۳۰ھ فروری ۲۰۰۹ء | شمارہ: 2

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

معاونین

حافظ ندیم ظہیر — ابو جابر عبداللہ دامانوی

محمد صفدر حضروی — ابو خالد شاکر

برائے رابطہ

اعظم بلال المبارکی 0302-5756937

خورشید احمد الحسینوی 0302-7032909

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک 250 روپے

خط کتابت

مکتبة الحديث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبة الحديث

حضرو ضلع اٹک

اس شمارے میں

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

حق کے مقابلے میں مجادلہ

۱۷۷) وعن جابر (رضي اللّٰه عنه) عن النبي ﷺ حين أتاه عمر فقال :إنا نسمع أحاديث من يهود تعجبنا، أفترى أن نكتب بعضها ؟ فقال :
((أمتهوكون أنتم كما تهوكت اليهود والنصارىٰ ؟! لقد جئتكم بها بيضاء نقية ولو كان موسى حيًا ما وسعه إلا اتباعي .))
رواه أحمد والبيهقي في كتاب شعب الإيمان .

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کے پاس عمر (رضی اللہ عنہ) آئے تو کہا: ہم یہودیوں سے حدیثیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیا کریں تو؟

آپ نے فرمایا: کیا تم اپنے دین میں حیران و پریشان ہو جس طرح یہود و نصاریٰ حیران و پریشان ہیں؟ میں تمھارے پاس صاف سفید (دین) لے کر آیا ہوں، اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اسے احمد (۳/۳۸۷ ح ۱۵۲۲۳) اور بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۶) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند کا دارومدار مجالد بن سعید بن عمیر الہمدانی الکوفی پر ہے۔ مجالد کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا: ''... وضعفه الجمهور'' اور جمہور (محدثین) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۹/۴۱۶) نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۹ ص ۲۲

جس راوی کو جمہور محدثینِ کرام ضعیف قرار دیں تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ایسے راوی کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے مجالد مذکور میں ضعف تسلیم کرنے کے بعد اس روایت کو شواہد کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔ ان شواہد کا تحقیقی جائزہ درج ذیل ہے:

شاہد نمبر ۱: فضائل القرآن لابن الضریس وذم الکلام للہروی وغیرہما۔

(ارواء الغلیل ۶/۳۵ ح ۱۵۸۹)

اس کی سند میں جابر الجعفی سخت ضعیف ومجروح ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۹ ص ۲۲، اور الحدیث: ۳۹ ص ۳۷

امام زائدہ بن قدامہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا: جابر الجعفی کذاب تھا۔ الخ

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۳۹۹، وسندہ صحیح)

شاہد نمبر ۲: مسند الرویانی میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**لو كان فيكم موسى (فاتبعتموه) و عصيتموني لدخلتم النار**''

اگر تمھارے درمیان موسیٰ ہوتے پھر تم اُن کی اتباع کرتے اور میری نافرمانی کرتے تو ضرور جہنم میں داخل ہوتے۔ (ج ۱ ص ۱۷۵ ح ۲۲۵)

اس روایت کی سند عبداللہ بن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عثمان بن صالح کا ابن لہیعہ سے سماع اختلاط سے پہلے ثابت نہیں ہے۔

نیز دیکھئے میری کتاب الفتح المبین (ص ۷۷، ۷۸)

یہی روایت ''**عثمان بن صالح عن ابن لهيعة عن أبي عشانة حي بن يؤمن عن عقبة بن عامر رضي الله عنه**'' کی سند سے بھی مروی ہے جس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ''**هذا حديث كذب**'' یہ حدیث جھوٹ ہے۔

(علل الحدیث ۲/۱۵۰ ح ۱۹۴۵)

شاہد نمبر ۳: **عن أبي قلابة أن عمر (رضي الله عنه) مرّ برجل يقرأ كتاباً .. إلخ**

(ذم الکلام للہروی تحقیق عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الشبل ۳/۲۶۸، ۲۶۹ ح ۵۸۰، ومصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۱۰ ح ۲۰۰۶۲)

اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، ابو قلابہ رحمہ اللہ نے سیدنا عمر

رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

تنبیہ: اس روایت میں کسی نامعلوم کتاب کا قصہ تو موجود ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔

شاہد نمبر۴: المختارۃ للضیاء المقدسی (ارواء الغلیل ۶/ ۳۶)

اس کی سند عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔

شاہد نمبر۵: المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد (۱/ ۱۷۴)

اس کی سند جامع المسانید والسنن لابن کثیر (۱۳/ ۶۴۳، ۶۴۴ ح ۱۱۱۷۱) میں مذکور ہے۔ یہ سند سفیان ثوری اور ابواسحاق دونوں کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

شاہد نمبر۶: عن حفصة رضي اللّٰه عنها بحوالہ مصنف عبدالرزاق (۶/ ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱/ ۱۱۰) اور ذم الکلام للہروی (۲۷۰/۳ ح ۵۸۱)

یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس میں نہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور نہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بلکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے۔

شاہد نمبر۷: مرسل الحسن البصري بحوالہ شعب الایمان للبیہقی (۱۷۵)

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

یہ بات بالکل حق اور سچ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد، اب قیامت تک ہر انسان اور جن پر آپ کی اطاعت فرض ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آپ کی اتباع کرتے کیونکہ آپ کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

دلیل کے لئے دیکھئے سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۸۱، ۸۲

۱۷۸) وعن أبي سعید الخدري قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((من أكل طيبًا و عمل في سنة و أمن الناس بوائقه دخل الجنة .))

فقال رجل: يا رسول اللّٰه ! إن هذا اليوم لكثير فى الناس ؟ قال :

((و سيكون في قرونٍ بعدي .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو پاک (حلال رزق) کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کی تکلیفوں سے محفوظ رہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! آج کل تو ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں، آپ نے فرمایا: میرے بعد والی صدیوں میں بھی ہوں گے۔

اسے ترمذی (۲۵۲۰ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے حاکم (۱۰۴/۴) اور ذہبی (دونوں) نے صحیح کہا ہے۔

دوسری طرف حافظ ذہبی نے خود لکھا: ''لا يعرف'' وہ معروف نہیں ہے۔ (الکاشف ۲۷۳/۳)
ذہبی کی توثیق اُن کی جرح سے ٹکرا کر ساقط ہوگئی اور حاکم متساہل تھے لہٰذا ان کی اکیلی توثیق پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ راوی اُن کے شیوخ، شیوخ الشیوخ یا اُس طبقے سے ہو جو اپنی روایتوں کے ساتھ بہت مشہور تھے۔

تنبیہ (۱): حافظ ابن الجوزی نے بغیر کسی سند کے امام احمد سے نقل کیا کہ انھوں نے اس حدیث کا سخت رد کیا اور فرمایا: میں ابوبشر کو نہیں جانتا۔ الخ (العلل المتناہیہ ۲/۲۶۳ ح ۱۲۵۲)

تنبیہ (۲): ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۲۴ ص ۴۸) میں اس حدیث کو حسن لکھا گیا ہے جو اضواء المصابیح والی تحقیق کی رُو سے منسوخ ہے۔

۱۷۹) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :

((إنكم في زمان من ترك منكم عُشر ما أُمر به هلك ثم يأتي زمان من عمل منهم بعشر ما أُمر به نجا .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دسواں حصہ جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے گا، پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی شخص دسویں حصے پر عمل کرے گا تو نجات پا جائے

گا۔اسے ترمذی (۲۲۶۷ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

① نعیم بن حماد رحمہ اللہ اگرچہ صدوق حسن الحدیث تھے لیکن یہ روایت اُن روایتوں میں سے ہے جن کا نعیم پر انکار کیا گیا تھا۔ دیکھئے میری کتاب ''علمی مقالات'' (ج ۱ ص ۴۶۲)

② امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

اس روایت کا سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک ضعیف شاہد مسند احمد (۱۵۵/۵) اور ذم الکلام للہروی (نسخۃ عبدالرحمٰن الشبل ح ۹۷، نسخۃ الشیخ الصالح ابی جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری حفظہ اللہ ح ۱۰۰) وغیرہما میں ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی (۶/ ۴۰، ۴۱ ح ۲۵۱۰)

یہ شاہد متصل نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہے، علماء زیادہ اور خطباء تھوڑے ہیں اور تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نماز مختصر اور خطبہ لمبا ہوگا، خطباء زیادہ اور علماء تھوڑے ہوں گے۔ الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/ ۱۳۹ ح ۸۵۶۷ وسندہ حسن)

اس موقوف روایت (جو کہ حکماً مرفوع ہے) میں درج بالا حدیث کا کوئی شاہد نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس روایت کو بعض علماء نے حسن لغیرہ قرار دیا ہے لیکن یہ اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہے۔

۱۸۰) وعن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ: ((ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه إلا أوتوا الجدل)) ثم قرأ رسول الله ﷺ هذه الآية: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ رواه أحمد والترمذي وابن ماجه.

اور (سیدنا) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوئے تو انھیں مجادلوں میں مبتلا کر دیا گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ

آیت تلاوت فرمائی: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾
انھوں نے یہ مثال صرف مجادلے کے لئے پیش کی ہے بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔(الزخرف:۵۸)
اسے احمد (۲۵۲/۵ ح ۲۲۵۱۷، ۲۵۶/۵ ح ۲۲۵۵۸) ترمذی (۳۲۵۳ وقال: ''حسن صحیح'' الخ) اور ابن ماجہ (۴۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔
اسے حاکم (۴۴۸/۲) اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

اس روایت میں دو راوی حجاج بن دینار اور ابو غالب جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث راوی تھے۔

فقہ الحدیث:

① حق کے مقابلے میں مجادلہ کرنا کفار قریش کا طریقہ ہے۔
② قرآن وحدیث کے مقابلے میں الزامی اعتراض مردود ہوتا ہے۔
③ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔
④ کفار ومشرکین بھی اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کے دلائل باطل ہوتے ہیں۔
⑤ اہلِ حق کا آپس میں ایک دوسرے سے مناظرے کرنا غلط ہے لیکن یاد رہے کہ اگر اہلِ باطل سے مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو عقائد واصول پر مناظرہ کرنا چاہئے نہ کہ معمولی معمولی مسائل پر بحث ومباحثہ کرتے رہیں۔
⑥ قرآن وحدیث ایک دوسرے کی تفسیر، شرح اور بیان ہیں۔
⑦ قرآن وحدیث کو ایک دوسرے سے ٹکرانا گمراہی ہے۔
⑧ دینِ حق میں شبہے پیدا کرنا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔

(دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح مع فوائد غزنویہ ج ا ص ۲۳۲ تحت ح ۱۷۱)

⑨ شرک وکفر کرنے والے لوگ اللہ کے سوا دو قسم کے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں:

اول: جو اپنی عبادت پر راضی تھے۔

مشرکین و کفار کے ساتھ یہ معبودانِ باطلہ بھی جہنم میں ہوں گے۔

دوم: وہ جو اپنی عبادت پر راضی نہیں تھے بلکہ شرک و کفر کے مخالف تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ جہنم اور عذاب سے بچائے گا اور یہ اپنی عبادت کرنے والوں سے بری ہوں گے مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اُن لوگوں سے بری ہوں گے جو انھیں اللہ کا بیٹا اور رب سمجھتے تھے۔

⑩ تمام کفار و مشرکین اسی کوشش میں سرگرم ہیں کہ دینِ حق کو مٹا دیں جبکہ حق کے مقابلے میں یہی لوگ ذلیل و رسوا ہوں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

تذکرۃ الاعیان — محمد منشاء سلفی

مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کا سفرِ آخرت

نام: محمد علی جانباز بن حاجی نظام الدین بن عمر دین (راجپوت وٹو برادری)

ولادت: ۱۹۳۴ء میں (پنجاب) ضلع فیروز پور کے قصبہ بُدھو چک، تحصیل مکتسر

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی۔ بعد میں راجووال، مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، جامعہ اسلامیہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں زیرِ تعلیم رہے۔

اساتذہ کرام: حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، مولانا محمد شریف اللہ سواتی، پروفیسر غلام احمد حریری، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا محمد یعقوب قریشی اور محمد عبداللہ ظفر گڑھی وغیرہم رحمہم اللہ

درس و تدریس: جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مدرسہ دارالحدیث اور جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ میں مدرس رہے۔

علمی مقام: آپ کی تعریف و توثیق پر تمام اہلِ حق علماء کا اتفاق ہے۔

ہمارے شیخ حافظ زبیر علی زئی نے کہا: "**لقیتُه في مدرسته في سیالکوت و کان ثقة متقناً، متقیاً صالحًا مستورًا، رحمه الله، ترجمته في تذکرة علماء أهلحدیث (۲/۲۷۹۔۲۸۲، اردو)**"

(منار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص۱۸۲)

تصانیف: انجاز الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ (عربی ۱۲ جلدیں)، صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ (اردو)، حرمتِ متعہ، مسائل قربانی اور احکامِ عدت وغیرہ

وفات: ۱۳/ دسمبر ۲۰۰۸ء بوقت ۷:۳۰ عشاء، بمقام سیالکوٹ، رحمہ اللہ

حافظ زبیر علی زئی

نابالغ قاریٔ قرآن کی امامت

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

اگر کسی صحیح العقیدہ نابالغ بچے کو قرآنِ مجید یاد ہو اور وہاں دوسرے لوگوں کو اُتنا قرآن یاد نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ وہ صحیح العقیدہ بچہ اُن لوگوں کو فرض نمازیں اور نمازِ تراویح پڑھائے۔

اس مسئلے کے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

① سیدنا سلِمہ بن قیس الجرمی رضی اللہ عنہ (صحابی کبیر) کے بیٹے سیدنا عمرو بن سلِمہ الجرمی رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر/تقریب التہذیب: ۵۰۴۲) سے روایت ہے کہ جب میرے والد اپنے وفد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آئے تو کہا: ''اللہ کی قسم! میں سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں، آپ نے فرمایا ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا ہے۔'' پھر انھوں (صحابہ) نے مجھے امام بنالیا اور میری عمر چھ یا سات سال تھی کیونکہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی قرآن کا حافظ نہیں تھا۔ الخ

(صحیح بخاری: ۴۳۰۲، فتح الباری ۸/۲۲)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ نابالغ حافظِ قرآن نماز کی امامت کرا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس صحابی کی تو شرمگاہ حالتِ نماز میں ننگی ہو جاتی تھی۔!

تو اس کے چار جوابات ہیں:

اول: یہ واقعہ جان بوجھ کر نہیں، بلکہ بعض اوقات مجبوری اور حالتِ اضطرار میں ہو جاتا تھا۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ مجبوری اور حالتِ اضطرار کی وجہ سے اعتراض کرنا غلط ہے۔

دوم: بعد میں سیدنا عمرو الجرمی رضی اللہ عنہ کو جب چادر مل گئی تو شرمگاہ کے، لاعلمی و اضطراری حالت میں ننگا ہو جانے والا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔

سوم: جان بوجھ کر حالتِ نماز میں شرمگاہ ننگی کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

چہارم: لاعلمی اور اضطراری حالت کے علاوہ اگر شرمگاہ کے ننگا کرنے کا جواز کوئی تقلیدی ''فقیہ'' کہیں سے ڈھونڈ بھی نکالے تو عرض ہے کہ صحیح بخاری (۳۶۷) کی حدیث: ''**نهى رسول الله ﷺ عن اشتمال الصماء و أن يحتبي الرجل في ثوب واحد ليس على فرجه منه شئ**'' کی رُو سے یہ عمل منسوخ ہے۔

② سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أحدهم و أحقهم بالإمامة أقرأهم .))

اگر تین آدمی ہوں تو ایک انھیں امامت کرائے اور ان میں امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اُن میں سب سے بڑا قاری (حافظ) ہے۔ (صحیح مسلم:۶۷۲، ترقیم دارالسلام:۱۵۲۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسے سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، وہ امامت کرائے چاہے وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

③ سیدنا ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله .)) لوگوں کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا اُن میں سب سے بڑا قاری ہو۔ (صحیح مسلم:۶۷۳، دارالسلام:۱۵۳۲)

④ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر نابالغ قاری جو نماز جانتا ہے، بالغوں کو نماز پڑھا دے تو جائز ہے اور (بہتر یہ ہے کہ) بالغ کی امامت کو اختیار کرنا چاہئے۔ الخ (کتاب الام ج۱ص۱۶۶، باب: امامۃ الصبی لم یبلغ)

⑤ امام ابن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۱ھ) نے سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پر باب باندھا:

''**باب إباحة إمامةِ غيرِ المدركِ البالغينَ إذا كان غير المدرك أكثر جمعًا للقرآن من البالغين .**'' (صحیح ابن خزیمہ ج۳ص۶ قبل ح۱۵۱۲)

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نابالغ حافظِ قرآن کی امامت کو جائز سمجھتے تھے۔

⑥ امام بیہقی نے سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ''باب إمامة الصبي الذي لم يبلغ '' لکھ کر نابالغ قاری کی امامت کا جواز ثابت کیا۔
دیکھئے السنن الکبریٰ (۳/۹۱) اور معرفۃ السنن والآثار (۲/۳۷۴)
⑦ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کو امامت کے لئے آگے کیا تھا۔
دیکھئے الاوسط لابن المنذر (۴/۱۵۱ ث ۱۹۳۵، وسندہ صحیح)

اس اثر اور دیگر آثار سے صاف ثابت ہے کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو منسوخ سمجھنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ابتداءِ اسلام کا واقعہ تھا، غلط اور مردود ہے۔

⑧ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر بچہ نو سال سے زیادہ یا دس سال کا ہو تو اس کی امامت جائز ہے۔ دیکھئے مسائل الامام احمد واسحاق (روایۃ الکوسج ۱/۱۵۱، فقرہ: ۲۴۳) اور مختصر قیام اللیل (تصنیف محمد بن نصر المروزی، اختصار المقریزی ص ۲۲۳)

⑨ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری نے کہا: نابالغ کی امامت جائز ہے، اگر وہ نماز جانتا ہے اور نماز قائم کر سکتا ہے۔ (الاوسط ۴/۱۵۲)

⑩ عاصم الاحول (تابعی) رحمہ اللہ نے سیدنا عمرو بن سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کر کے کہا: '' فلم يزل إمام قومه في الصلوٰة وعلى جنائزهم ''
پھر وہ نماز اور جنازوں میں مسلسل اپنی قوم کے امام رہے۔

(مختصر قیام اللیل ص ۲۲۱ وسندہ صحیح)

چونکہ امام عاصم الاحول نے اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اپنے اس قول سے اس کی تائید کی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ بھی نابالغ قاری وحافظ کی امامت کے جواز کے قائل تھے۔

ان تمام احادیث وآثار کے مقابلے میں بعض آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ '' نابالغ کی امامت جائز نہیں '' دیکھئے نعیم الدین دیوبندی عرف انوار خورشید کی کتاب '' حدیث اور اہلحدیث '' (ص ۴۹۰)

ان لوگوں کے شبہات اور غلط استدلالات کے مختصر اور جامع جوابات درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچہ (نابالغ) امامت نہ کرائے، جب

تک اس پر حدود واجب نہ ہو جائیں۔

(نیل الاوطار ۳/۱۶۵، بحوالہ سنن الاثرم، اعلاء السنن للتھانوی ۴/۲۹۸ ح ۱۲۶۷)

یہ روایت بے سند ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:
''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔'' (احسن الکلام طبع دوم ج ا ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ طبع جون ۲۰۰۶ء ص ۴۰۳ ج ا)

۲: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''امامت نہ کرائے لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔''

(نیل الاوطار مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۴۲۴/۲ بحوالہ اثرم فی سننہ، اعلاء السنن ۴/۲۹۹ ح ۱۲۶۸)

یہ روایت بے سند ہے لہٰذا مردود اور ناقابلِ حجت ہے۔ کوئی سکوت کرے یا نہ کرے، بے سند روایتیں مردود ہوتی ہیں۔

مصنف عبدالرزاق (۲/۳۹۸ ح ۳۸۴۷) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی (کذاب متروک) کی سند سے موجود ہے اور بلحاظِ سند موضوع و مردود ہے۔ اس میں ایک اور علتِ قادحہ بھی موجود ہے۔ اس طرح کی ایک اور ضعیف روایت الاوسط لابن المنذر (۴/۱۵۲) میں موجود ہے۔

۳: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ نابالغ ہماری امامت کرائے۔

(ابن ابی داود بحوالہ کنز العمال ۸/۲۶۳ ح ۲۲۸۳۷، اعلاء السنن ۴/۲۹۹ ح ۱۲۶۹)

یہ روایت امام ابوبکر ابن ابی داود رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف (ص ۲۱۷) میں نہشل بن سعید کی سند سے موجود ہے۔ (المصاحف نسخہ محققہ ج ۲ ص ۱۵۱ ح ۷۷۲)

یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے کیونکہ اس کا راوی نہشل بن سعید بن وردان کذاب و متروک تھا۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۷۱۹۸)
اس کی باقی سند بھی مردود ہے۔

۴: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نابالغ امامت نہ کرائے، ابن وہب نے کہا: عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید کا یہی قول ہے۔

(المدونہ ج ۱ ص ۸۶، اعلاء السنن ج ۴ ص ۳۰۰ ح ۱۲۷۱)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: ابن وہب مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد (۵۱۸/۷) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۵)

دوم: ابن جریج بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۳/۸۳، ص ۵۵، ۵۶) اور یہ روایت عن سے ہے۔

سوم: مدونہ کتاب بذاتِ خود بے سند، غیر مستند اور غیر معتبر ہے۔ دیکھئے میری کتاب "القول المتین فی الجہر بالتأمین" (ص ۸۷)

چہارم: امام عطاء اور امام یحییٰ کی طرف منسوب قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۵: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ لوگ اس کو مکروہ جانتے تھے کہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے امامت کرائے۔ (المدونۃ الکبریٰ ۸۵/۱، اعلاء السنن ۲۹۹/۴ ح ۱۲۷۰)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: ابن وہب مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

دوم: علی بن زیاد غیر متعین ہے۔

سوم: سفیان ثوری مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

چہارم: مغیرہ بن مقسم مدلس تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۸۵۱) اور یہ روایت عن سے ہے۔

۶: ابراہیم نخعی اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۹۸/۲ ح ۳۸۴۶)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ مدلس تھے۔ دیکھئے الضعفاء للعقیلی (۱۱۰/۳، ۱۱۱، وسندہ صحیح) اور میری کتاب الفتح المبین (ص ۴۵) یہ روایت عن سے ہے۔

دوم: سفیان ثوری مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

سوم: مغیرہ بن مقسم مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

تنبیہ: ہم نے اپنے استدلال میں کئی ایسی روایتوں کو چھوڑ دیا ہے جن میں مدلس راوی اپنے عن عن کے ساتھ موجود تھے مثلاً:

روایت نمبر۱: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ نابالغ بچہ رمضان میں امامت کرا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۴۹/۱ ح ۳۵۰۳)

اس میں ہشیم بن بشیر، یونس بن عبید اور حسن بصری تینوں مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

روایت نمبر۲: حسن بصری سے روایت ہے کہ نابالغ بچے کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۴۹/۱ ح ۳۵۰۴)

اس میں ہشام بن حسان مدلس تھے اور باقی سند حسن ہے۔

۷: عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ لڑکا جو نابالغ ہو وہ امامت نہ کرائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص ۳۹۸ ح ۳۸۴۵)

اس روایت کے راوی امام عبدالرزاق (مدلس) نے سماع کی تصریح نہیں کی لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۸: شعبی سے روایت ہے کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۹ ح ۳۵۰۵)

اس میں عبدالعزیز راوی غیر متعین ہے، اگر اس سے مراد عبدالعزیز بن عبیداللہ بن حمزہ بن صہیب ہے تو یہ ضعیف راوی تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۱۱۱)

لہٰذا یہ سند مردود ہے۔

۹: مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۹ ح ۳۵۰۶)

اس روایت کے راوی رواد بن الجراح ابو عصام پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ حافظ ابن حجر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی متروک قرار دیا گیا تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۵۸)

۱۰: عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ محمد بن ابی سوید (؟) نے انھیں (عبدالعزیز بن عمر کو) امامت کے لئے کھڑا کیا اور وہ نابالغ بچے تھے پھر عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) ناراض ہوئے اور انھیں لکھا: تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم لوگوں کی امامت کے لئے ایسے لڑکے کو آگے کرو جس پر ابھی حدود واجب نہیں ہوئیں۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/۳۹۸ ح ۳۸۴۸)

اس روایت کی سند عبدالرزاق (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ان تمام غیر ثابت اور مردود حوالوں کی بنیاد پر انوار خورشید دیوبندی نے یہ بلند و بالا دعویٰ کر رکھا ہے: ''نابالغ کی امامت جائز نہیں'' (دیکھئے حدیث اور اہلحدیث ص ۴۹۰)!!

۱۱: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
پہلی صف میں اعرابی، عجمی اور نابالغ لڑکا آگے نہ بڑھیں۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۱ ح ۱۰۷۶، اعلاء السنن ۴/۳۰۰ ح ۱۲۷۲)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود اور باطل ہے:

اول: لیث بن ابی سلیم مدلس تھا۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ۱/۸۳) اور یہ سند عن سے ہے۔

دوم: لیث بن ابی سلیم کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا۔
دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۳۰)

سوم: عبید اللہ بن سعید غیر متعین اور نامعلوم ہے۔
نیز دیکھئے العلل المتناہیہ لابن الجوزی (۱/۴۲۸ ح ۷۲۳)

چہارم: عباس بن سلیم مجہول ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۳۰۲/۳) اور بیان الوہم والایہام لابن القطان (۱۵۲/۳ ح ۸۶۱)

لہٰذا اس ضعیف و مردود روایت کو بعض فرقہ پرست آلِ تقلید کا حسن کہنا یا حسن لغیرہ قرار دینا مردود ہے۔

ملا علی قاری حنفی تقلیدی نے ایک عجیب ترین بات لکھی ہے:

'' مخالفین حضرات پر تعجب ہے کہ بچہ صحابی (حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ) کے فعل سے جس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نہیں (یعنی سند اجازت بھی حاصل نہیں) اس سے تو استدلال کرتے ہیں اس کو تو حجت تسلیم کرتے ہیں لیکن جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم کبار صحابہ کرام کے اقوال کو (جن میں بچہ کو امام بنانے سے منع کیا گیا ہے) انکو حجت تسلیم نہیں کرتے جبکہ ان حضرات کے اقوال کو مرفوع صحیح حدیث ''الإمام ضامن'' اور پہلی صف میں بچہ کے قیام کی ممانعت والی جیسی احادیث سے تائید بھی حاصل ہے۔''

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۳ ص ۸۹ بحوالہ فتوی حفیظ اللہ ڈیروی تقلیدی دیوبندی، دارالافتاء دارالعلوم کبیر والا، ۲۷/ رمضان ۱۴۲۹ھ ص ۳)

عرض ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیق، سیدنا عمر الفاروق، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عبداللہ بن عباس وغیرہم کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے باسند صحیح یا حسن قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے قرآن کے حافظ نابالغ بچے کو امام بنانے سے منع کیا تھا، لہٰذا ملا علی قاری کا ان جلیل القدر صحابہ کے نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اہلِ حدیث کے موقف کی تائید میں سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، سیدنا ابوسعید الخدری اور سیدنا ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہما کی احادیث، سیدنا سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ، سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے آثار اور امام عاصم الاحول، امام شافعی، امام ابن خزیمہ، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن المنذر اور امام بیہقی وغیرہم کے اقوال صحیح و ثابت ہیں اور کسی صحیح صریح

حدیث کے مخالف نہیں۔ والحمدللہ

پہلی صف میں بچے کے قیام کی ممانعت والی ضعیف روایات کا یہ مطلب ہے کہ غیر حافظ اور غیر قاری بچوں کو پچھلی صفوں میں کھڑا کرنا بہتر اور افضل ہے۔

الامام ضامن کا یہ مطلب کہاں سے آ گیا کہ قرآن کا حافظ سمجھدار بچہ، جو مسائلِ نماز سے بخوبی واقف ہو، امامت نہیں کروا سکتا؟!

سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی کی حدیث کے مقابلے میں عینی، امام احمد اور ابن حزم وغیرہ کے اقوال کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ تو غور کریں۔!

خلاصۃ التحقیق: ضرورت اور اضطرار کی حالت میں یہ جائز ہے کہ صحیح العقیدہ حافظ قرآن یا دوسرے لوگوں سے زیادہ قرآن جاننے والا بچہ امامت کرائے اور اس کی ممانعت، منسوخیت یا کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ والحمدللہ رب العالمین

(۱۷/ نومبر ۲۰۰۸ء)

اعظم المبارکی

اہلِ بدعت کی خاص نشانی: صحیح حدیث سے بغض

بقیہ بن الولید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (امام) اوزاعی (رحمہ اللہ) نے مجھے کہا: اے ابو محمد! تم اُن لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے نبی ﷺ کی حدیث سے بغض رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ بُرے لوگ ہیں۔

انھوں نے فرمایا: ''**ليس من صاحب بدعة تحدّثه عن رسول الله ﷺ بخلاف بدعته إلا أبغض الحديث**''

کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں جسے تم رسول اللہ ﷺ کی ایسی حدیث سُناؤ جو اس کی بدعت کے خلاف ہو تو وہ حدیث سے بغض نہ کرے یعنی حدیث سے ہر بدعتی بغض رکھتا ہے۔

(الطیوریات ج۴ ص۱۳۷۸ ح۱۳۴۴، وسندہ حسن)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

نذر اور تقدیر

سوال: حدیث میں ہے کہ ''نذر سے تقدیر نہیں بدلتی لیکن بخیل کا مال نکل جاتا ہے'' اس کا کیا مطلب ہے۔ نذر و نیاز اللہ کے نام پر جائز ہے یا سنت ہے کہ نہیں؟

(عبدالعزیز بن) عبداللہ بن باز کے فتاویٰ میں انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی ہے تو پوری کرے مگر آئندہ ایسا نہ کرے اور پھر مندرجہ بالا حدیث بیان کی۔

(محمد عادل شاہ، برطانیہ)

الجواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لا يأتي ابنَ آدم النذرُ بشيءٍ لم يكن قُدِّر له ولكن يلقيه النذر إلى القدر قد قُدِّر له فيستخرج الله به من البخيل فيؤتي عليه ما لم يكن يؤتي عليه من قبل .**))

ابن آدم (انسان) کو نذر کوئی چیز نہیں دیتی جو اُس کی تقدیر میں نہ ہو لیکن نذر اُسے اُس تقدیر کی طرف لے جاتی ہے جو اُس کے مقدّر میں تھی، البتہ اللہ اس نذر کے ذریعے سے بخیل سے اس کا مال نکلواتا ہے لہٰذا وہ شخص وہ (مال وغیرہ صدقے میں) دیتا ہے جو وہ اس سے پہلے نہیں دیتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۶۶۹۴، صحیح مسلم: ۱۶۴۰)

اس حدیث سے ثابت شدہ مسئلے کی تشریح میں مولانا محمد داود راز رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اکثر لوگوں کا قاعدہ ہے کہ یوں تو اللہ کی راہ میں اپنا پیسہ خرچ نہیں کرتے جو کوئی مصیبت آن پڑے اس وقت طرح طرح کی منتیں اور نذریں مانتے ہیں۔ باب کی حدیث میں... صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر اور منت ماننے سے تقدیر نہیں پلٹ سکتی ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں ہے۔ مسلم کی حدیث میں صاف یوں ہے کہ نذر نہ مانا کرو اس لئے کہ نذر سے تقدیر نہیں پلٹ سکتی۔ حالانکہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ مگر آپ نے جو نذر سے منع فرمایا وہ

اس نذر سے جس میں یہ اعتقاد ہو کہ نذر ماننے سے بلاٹل جائے گی جیسے اکثر جاہلوں کا عقیدہ ہوتا ہے لیکن اگر یہ جان کر نذر کرے کہ نافع اور ضار اللہ ہی ہے اور جو اس نے قسمت میں لکھا ہے وہی ہوگا تو ایسی نذر منع نہیں بلکہ اس کا پورا کرنا ایک عبادت اور واجب ہے۔ اب ان لوگوں کے حال پر بہت ہی افسوس ہے جو خدا کو چھوڑ کر دوسرے بزرگوں یا درویشوں کی نذر مانیں وہ علاوہ گنہگار ہونے کے اپنا ایمان بھی کھوتے ہیں کیونکہ نذر ایک مالی عبادت ہے اس لئے غیر اللہ کی نذر ماننے والا مشرک ہو جاتا ہے۔''

(صحیح بخاری، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ۸ ص ۶۴، ۶۵ قبل ح ۶۶۰۸)

مثلاً ایک آدمی کی اولاد نہیں ہے، اسے چاہئے کہ صدقات وغیرہ اور نیک اعمال میں مصروف رہ کر مسلسل دعائیں کرتا رہے لیکن اگر وہ ایسا کرنے کے بجائے یہ نذر مانتا ہے کہ اے اللہ! اگر تُو نے مجھے بیٹا دے دیا تو میں مسجد، مدرسہ یا ہسپتال وغیرہ تعمیر کروں گا۔ ایسی نذر ماننا ممنوع ہے اور اگر مان لے تو اسے پورا کرنا واجب ہے۔

دوسری طرف ایک شخص ہے، اسے اللہ نے بیٹا دے دیا یا کوئی نعمت عطا فرمائی تو خوش ہو کر اس نے نذر مان لی: ''اے اللہ تیرا شکر ہے، میں تیرے دین کے لئے فلاں کام کروں گا۔''

یہ نذر بالکل صحیح اور پسندیدہ ہے۔

اللہ کے نام پر نذر و نیاز جائز اور صحیح ہے بلکہ نذر و نیاز ہوتی ہی صرف ایک اللہ کے لئے ہے۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز حرام ہے۔ اُمید ہے کہ آپ یہ مسئلہ سمجھ چکے ہوں گے۔ واللہ اعلم

انفرادی نماز اور اقامت

سوال: اگر کوئی شخص فرض نماز انفرادی طور پر ادا کرتا ہے۔ گھر میں کسی اور جگہ یا مسجد میں تو اس کے لئے اقامت کہنا لازمی ہے یا نہیں؟ اگر چہ نیت جماعت کی نہ ہو۔ کیونکہ یہاں پر ایک عرب عالم کا کہنا ہے کہ اقامت ضروری ہے اور کچھ تو اذان دینے کے حق میں بھی ہیں اگر چہ (نماز) انفرادی ہی کیوں نہ ہو۔ (محمد عادل شاہ، برطانیہ)

الجواب: انفرادی طور پر فرض نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت کہنا ضروری نہیں ہے۔

اس بات کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسود بن یزید اور علقمہ بن قیس کو اپنے گھر میں نماز پڑھائی لیکن انھیں اذان اور اقامت کہنے کا حکم نہیں دیا۔ دیکھئے صحیح مسلم (کتاب المساجد باب الندب الیٰ وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ونسخ التطبیق ح ۵۳۴، ترقیم دارالسلام:۱۱۹۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اذان واقامت ہونے کے بعد گھر یا مسجد میں دوسری جماعت کے لئے اذان واقامت ضروری نہیں ہے۔

ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز ہو چکی تھی تو وہ اقامت کہنے لگا۔ اسے عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے کہا: اقامت نہ کہو کیونکہ ہم نے اقامت کہہ دی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۱ ح ۲۳۰۵ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن امام مجاہد نے فرمایا: اگر تم اپنے گھر میں اقامت سن لو اور چاہو تو تمھارے لئے یہ کافی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۰ ح ۲۲۹۶ وسندہ حسن)

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تم سفر میں ہو تو تمھاری مرضی ہے کہ اذان اور اقامت کہو یا صرف اقامت کہہ دو اور اذان نہ دو۔ (موطأ امام مالک ۱/۷۳ ح ۱۵۶، وسندہ صحیح)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے موطأ امام مالک (روایۃ ابن القاسم، اختصار القابسی بتحقیقی: ۱۹۸)

معلوم ہوا کہ دوسری جماعت کے لئے دوبارہ اذان ضروری نہیں ہے اور انفرادی نماز کے لئے اذان یا اقامت ضروری نہیں ہے لہٰذا آپ کے علاقے کے عرب عالم کا کہنا صحیح نہیں ہے۔

جن روایات میں ایسی حالت میں اذان کا ذکر آیا ہے وہ استحباب اور جواز پر محمول ہیں۔

(حجامت) سینگی لگانا

سوال: گردن کے پچھلے حصے سے چیر لگا کر (غالبًا) یا کسی اور طریقے سے خون نکالنا جسے شاید عربی میں (حجامۃ) کہتے ہیں۔ یہاں پر کچھ عرب حضرات کرتے ہیں اور ایک دوست نے بھی کہا ہے۔ کیا یہ سنت ہے یا علاج کے لئے صحابہ نے کیا تھا یا کوئی اور وجہ تھی؟

(محمد عادل شاہ، برطانیہ)

الجواب: حجامت کو اردو میں سینگی لگانا یا پچھنے لگانا کہتے ہیں، اس طریقے سے کچھ خون نکال کر علاج کیا جاتا ہے۔ یہ عمل جائز بلکہ سنت ہے۔
مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۱۹۳۸۔۱۹۴۰) اور صحیح مسلم (۱۲۰۲، دارالسلام: ۲۸۸۵)
یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

مغرب کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز؟

سوال: اگر کوئی شخص کسی مجبوری سے عصر نہ پڑھ سکا وہ جب مسجد پہنچا تو مغرب کی جماعت کھڑی ہونے والی تھی کیا وہ اپنی عصر پہلے ادا کرے گا اور پھر جماعت میں داخل ہوگا یا پہلے مغرب پڑھ کر عصر ادا کرے گا۔ نماز میں ترتیب ضروری ہے کہ نہیں؟

(محمد عادل شاہ، برطانیہ)

الجواب: حدیث میں آیا ہے کہ ((**فما أدرکتم فصلّوا وما فاتکم فأتموا.**))
پس تم جو پالو تو نماز پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے تو پوری کرلو۔ (صحیح بخاری: ۶۳۵، صحیح مسلم: ۶۰۳)

اس حدیث کی رُو سے مغرب پڑھنے والے کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھیں اور بعد میں عصر کی نماز پڑھ لیں۔ نماز میں ترتیب کا خیال ضروری ہے لیکن اضطراری حالت کے احکام بعض اوقات بدل جاتے ہیں۔

مغرب والے کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنا میرے علم کے مطابق کسی حدیث یا اثر سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بغیر عذر کے جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے

سوال: میں مسافر نہیں ہوں لیکن جہاں کام کرتا ہوں بعض دفعہ وہاں مینیجر نماز کے لئے بریک ٹائم نہیں دیتا کبھی (گاہک) کی وجہ سے اور کبھی بغیر کسی وجہ کے تو کیا ایسے میں کوئی ظہر کے ساتھ عصر ملا سکتا ہے۔ ایک عربی عالم نے یہاں کہا ہے کہ نماز قضا کرنے سے بہتر ہے کہ جمع کرو ظہر کو عصر کے ساتھ مگر اسے روز کا معمول مت بناؤ۔ (محمد عادل شاہ، برطانیہ)

الجواب: اگر شدید مجبوری اور شرعی عذر ہو تو کبھی کبھار دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۱۷ تا ۲۵

ویسے آپ کے لئے بہتر اور مناسب یہ ہے کہ اس نوکری کو چھوڑ کر کوئی دوسری جائز نوکری تلاش کر لیں جہاں پابندی سے نمازیں پڑھ سکیں۔

قبرستان میں عورتوں کا جانا

سوال: کیا عورتوں کا قبرستان جانا کبھی کبھار جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: عورتوں کا اپنے قریبی رشتہ داروں کی قبروں کی زیارت کے لئے کبھی کبھار قبرستان جانا جائز ہے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) قبرستان سے آئیں تو میں نے پوچھا: اے ام المومنین! آپ کہاں سے آئی ہیں؟

انھوں نے فرمایا: اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کی قبر سے۔

میں نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں کیا تھا؟

انھوں نے فرمایا: جی ہاں! آپ نے منع کیا تھا پھر (بعد میں) زیارت کا حکم دے دیا تھا۔

(المستدرک للحاکم ۱/۳۷۶ ح ۱۳۹۲، وسندہ صحیح وصححہ الذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے قبرستان جانے کی ممانعت والی حدیث منسوخ ہے لیکن دو باتیں یاد رکھیں:

۱: رسول اللہ ﷺ نے اُن عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو کثرت سے قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔

دیکھئے سنن الترمذی (۱۰۵۶، وقال: ''حسن صحیح''، وسندہ حسن) وصححہ ابن حبان (الاحسان: ۳۱۷۸)

۲: اپنے محارم کے علاوہ غیروں کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

دیکھئے سنن ابی داود (کتاب الجنائز باب فی التعزیہ ح ۳۱۲۳ وسندہ حسن وأخطأ من ضعفہ)

محمد زبیر صادق آبادی

آلِ دیوبند اپنے خودساختہ اصولوں کی زد میں!

(قسط نمبر۲)

مضمون نگار محترم جناب محمد زبیر ولد حاجی عبدالرزاق صادق آبادی ایک کتاب دوست، صاحبِ مطالعہ اور بہترین داعی ہیں، موصوف نے آلِ دیوبند کی کتابوں کا نہ صرف بالاستیعاب مطالعہ کر رکھا ہے بلکہ ان کی تضاد بیانیوں کو'' آل دیوبند اپنے خودساختہ اصولوں کی زد میں!'' وغیرہ کی صورت میں منکشف کر کے عوام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے کہ کثیر لاحقوں سابقوں سے متصف یہ ''حضرات'' اپنی ہی تحریروں سے کس قدر جاہل ہیں کجا یہ کہ کتاب وسنت کے حقیقی علم سے بہرہ مند ہوں!!
موصوف کی تحریروں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آل دیوبند کے ''علماء'' تو اہل الحدیث کے اُن نوجوانوں کے سامنے بھی بے بس ولاچار ہیں جو ابھی علم کی دہلیز پر قدم رکھ رہے ہیں چہ جائیکہ وہ کسی بزرگ عالمِ دین کے ساتھ علمی میدان میں اُتریں۔ بہرحال ہم دعاگو ہیں کہ ایسی تحریریں بھٹکے ہوؤں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں اور ہمارے لئے نجات کا۔ (آمین) واضح رہے کہ اس مضمون کی پہلی قسط شمارہ ۴۵ ص ۲۹ تا ۴۰ پر گزر چکی ہے۔ (حافظ ندیم ظہیر)

۱۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بارے میں دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز خان صفدر گکھڑوی لکھتے ہیں: ''حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ '' (راہ سنت ص ۳۹)
دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''(مگر حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سخاویؒ وغیرہ تو متساہل نہیں ہیں۔صفدر)''
(المسلک المنصور ص ۲۳)
ایک اور جگہ تقلید کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے حافظ ابن حجر کی کتابوں تہذیب التہذیب

اور لسان المیزان کی تعریف میں سرفراز صاحب نے یوں لکھا ہے: '' حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ کرنے سے ہمیں رجال کی توثیق یا تضعیف پر پورا پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔'' (الکلام المفید ص ۴۷)
جبکہ لسان المیزان میں حنفیوں کے امام محمد بن حسن شیبانی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے امام یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے: ''**جهمي كذاب** '' (لسان المیزان ج ۶ ص ۲۸)
یحییٰ بن معین کے بارے میں سرفراز صاحب حافظ ابن حجر کی کتاب تہذیب کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''ابراہیم بن منذرؒ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو مجتمع دیکھا۔ اس شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ کیسے تشریف لائے، آپؐ نے ارشاد فرمایا:- میں اس شخص کا جنازہ پڑھنے آیا ہوں کیونکہ وہ میری احادیث سے جھوٹ کی نفی کرتا ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۷)'' (طائفہ منصورہ ص ۸۰)
امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ ''باوجود اس انتہائی شرف ومزیت اور فضیلت کے وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اور غالی حنفی تھے'' (طائفہ منصورہ ص ۸۱)
ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ ''جرح وتعدیل میں اہل مدینہ کے لئے اہل مدینہ کی رائے، اہل مکہ کیلئے اہل مکہ کی رائے، اہل کوفہ کیلئے اہل کوفہ کی رائے، اور اہل بصرہ کیلئے اہل بصرہ کی رائے، کو معیار مانا جائے، اسی طرح احناف کیلئے احناف کی رائے، شوافع کیلئے شوافع کی رائے، مالکیوں کیلئے مالکیوں کی رائے، اور حنابلہ کیلئے حنابلہ کی رائے کو قبول کیا جائے، اسے معیار قرار دیا جائے اور اس کے مخالف اقوال کو مخالفین کی جہالت یا مخالفین کے حسد کا کرشمہ قرار دے کر رد کر دیا جائے'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۸۳، ۸۴)

ان دیوبندی اصولوں کے مطابق حافظ ابن حجر حافظ الدنیا ہیں، متساہل نہیں ہیں، ان کی کتابوں سے راویوں کی توثیق یا تضعیف کے بارے میں پورا پورا اطمینان ہو جاتا ہے، حنفیوں کی جرح حنفیوں پر معتبر ہوتی ہے، اسے قبول کیا جائے گا۔
اب دیوبندی بتائیں! کہ محمد بن حسن شیبانی کے بارے میں انھیں اطمینان ہو گیا ہے

کہ وہ جہمی کذاب ہیں یا ان کے پیشواؤں کے اصول ہی بے بنیاد اور جھوٹے ہیں۔؟!

۱۶) دیوبندی مولوی اسماعیل محمدی نے ایک کتاب ''تحفہ اہل حدیث'' لکھی ہے جس میں وہ احادیث وضع کرنے کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا بھی مرتکب ہوا، جس کی تفصیل مولانا داود ارشد حفظہ اللہ کی کتاب ''تحفہ حنفیہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب میں چونکہ جھوٹ کی بھرمار تھی اس لئے جھنگوی نے کتاب پر اپنا اصلی نام لکھنے کے بجائے ''ابو بلال جھنگوی'' لکھا۔

جبکہ اسماعیل محمدی کے پیشوا ماسٹر امین اوکاڑوی کسی ایم، اے خان محمدی کے خلاف لکھتے ہیں کہ ''پہلی تحقیق جناب کی یہ ہے کہ اپنا نام چھپالیا۔ کیا والدین نے آپ کا نام یہی رکھا تھا۔ ایم۔اے۔خاں محمدی، موت پیدائش کے رجسٹر اور سکول کے سرٹیفکیٹ پر آپ کا یہی نام ہے تو فوٹوسٹیٹ مصدقہ ارسال فرمائیں ورنہ قرآن پاک میں وسوسے ڈال کر چھپ جانے والے کو محمدی نہیں خناس کہتا ہے'' (تجلیات صفدر ج۷ص۲۶۹)

اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین اوکاڑوی کے اصول کے مطابق اسماعیل محمدی (جھنگوی) خناس ہے یا ماسٹر امین اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟ نیز دیوبندیوں کی کتاب حدیث اور اہل حدیث پر مؤلف کا نام انوار خورشید لکھا ہوا ہے جبکہ اس کا اصلی نام نعیم الدین ہے۔ دیکھئے حیاتی دیوبندیوں کا رسالہ: قافلہ حق (ج ۱ شمارہ نمبر۳ ص۴۳ سفرنامہ ابوبکر غازی پوری قسط نمبر۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے اصول کے مطابق یہ صاحب بھی خناس ہی ٹھہرے۔!!

۱۷) ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے کہ ''جو جتنا بڑا غیر مقلد ہوگا اتنا ہی بڑا گستاخ اور بے ادب بھی ہوگا'' (تجلیات صفدر ج۳ص۵۹۰)

دوسری طرف اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: ''امام اعظم کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے'' (مجالس حکیم الامت ص۳۴۵)

اب دیوبندی بتائیں! کہ کیا ان کے امام اعظم ابوحنیفہ دیوبندیوں کے نزدیک گستاخ و بے ادب تھے یا ماسٹر امین اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے یا پھر امام ابوحنیفہ کو غیر مقلد

کہنے والے دیو بندی جھوٹے ہیں؟

۱۸) دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر لکھتے ہیں:

''محقق نیموی کا نام ظہیر احسن ابوالخیر کنیت اور شوق تخلص تھا آپ مولانا علامہ محمد عبدالحیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کے شاگرد رشید تھے، بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، فن اسماء الرجال پر گہری نظر رکھتے تھے، اور خداداد ذہانت اور فطانت میں قاضی شوکانی سے بھی انکا پایہ بہت بلند تھا مگر افسوس کہ ناپائیدار زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ان کی قابلیت کے پورے جوہر ابھی اچھی طرح اجاگر نہ ہوئے تھے کہ ۱۷ ر رمضان ۱۳۲۲ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی مشہور کتاب آثار السنن (مع حاشیہ تعلیق الحسن) کو علماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور فریق ثانی کی نگاہوں میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے'' (احسن الکلام ج ا ص ۳۲۵، حاشیہ)

سرفراز صاحب کے نزدیک اتنے بڑے مصنف کی اتنی اہم کتاب (جو فریق ثانی یعنی اہلِ حدیث کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب امام فاتحہ پڑھے تو تو بھی فاتحہ پڑھ اور امام سے پہلے پڑھ لے۔ بے شک جب وہ ولا الضالین کہتا ہے، فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی شاید اس کی دعا قبول کی لی جائے۔'' (جزء القراءۃ ص ۱۷۲، ترجمہ امین اوکاڑوی)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''**إسناده حسن**''

(آثار السنن ص ۱۰۶، دوسرا نسخہ ص ۸۹ ح ۳۵۸)

لیکن ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندیوں کے محقق نیموی کی تحسین کے باوجود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مذاق یوں اڑاتا ہے: ''اسی طرح جو فاتحہ امام سے پہلے پڑھ لے، وہ گدھا ہے''

(جزء القراءۃ ص ۱۷۳، ترجمہ امین اوکاڑوی)

اب دیوبندی بتائیں! کہ آثار السنن فریق ثانی کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے یا ماسٹر امین کی نگاہ میں بھی کھٹکتی تھی اور یہ بھی بتائیں کہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے مذاق دیوبندیوں کے محقق نیموی کا اڑایا ہے یا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا؟

۱۹) اہلِ حدیث عالم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں ''اسی وجہ سے راقم الحروف نے امین اوکاڑوی صاحب کے مضمون کو متن میں رکھ کر مکمل و دندان شکن جواب دیا اور یہ مطالبہ کیا: ''اوکاڑوی صاحب میرے اس مضمون اور کتاب کا مکمل جواب دیں اگر وہ انھیں متن میں رکھ کر مکمل جواب نہیں دیں گے تو ان کے جواب کو باطل و کالعدم سمجھا جائے گا''

(امین اوکاڑوی کا تعاقب طبع ۲۰۰۵ء ص ۱۷ مخطوطہ ص ۵۰)

اس مطالبے کا مذاق اڑاتے ہوئے انوراوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں: ''یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے'' (ماہنامہ الخیر جلد ۲۳ شمارہ: ۱۰ ص ۲۳)

جبکہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے اہل حدیث کو للکارتے ہوئے لکھا ہے: ''آخر ان کا غرور توڑنے اور ان کے شیخ الکل کی شیخی کرکری کرنے کیلئے معیار الحق کو متن بنا کر اس کا مفصل رد مولانا ارشاد حسین رام پوری المتوفی ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) نے لکھا۔ اب غیر مقلدین کا فرض تھا کہ وہ بھی اسی طرح انتصار الحق کو متن بنا کر اس کا رد لکھتے ،لیکن یہ قرض آج تک غیر مقلدوں کے سر پر باقی ہے۔ کسی غیر مقلد میں ہمت نہ تھی نہ ہے کہ اس کا جواب اس طرز پر لکھتے۔''

(تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۹۲)

اب دیوبندی بتائیں! کہ انوراوکاڑوی کے اصول کے مطابق ماسٹر امین اوکاڑوی کا یہ مطالبہ شیطانی وسوسہ ہے یا انوراوکاڑوی شیطانی وسوسے کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نیز یہ بھی بتائیں! کہ ماسٹر امین اپنے ہی اصول کے مطابق مقروض مرا ہے یا الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۲۰) ماسٹر امین اوکاڑوی نے تقلید کی برکات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اسماء رجال کا علم نہایت عظیم الشان علم ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۵۸۵)

پھر لکھا ہے: ''یہ عظیم الشان علم بھی تقلید ہی کی برکت سے قائم دائم ہے'' (ایضاً)

اور مزید لکھا ہے: '' بہرحال راویوں کی جرح وتعدیل کے بارے میں آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال واجتہادات کو قبول کرنا اوران پر احکام کو مبنی قرار دینا بھی تقلید شخصی ہے۔'' (ایضاً)

دوسری طرف دیوبندیوں کے ''مولانا'' سعید احمد محدث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''چنانچہ چوتھی صدی میں پوری امتِ مسلمہ نے ان چار ائمہ کی تقلید شخصی پر اجماع کر لیا، اور ان کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز قرار دیا۔'' (ادلہ کاملہ ص ۸۵)

ظاہر ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل، ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی ہیں اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین نے اجماع کی مخالفت کی ہے؟ (کیونکہ وہ ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال تسلیم کرنے کو بھی تقلید شخصی کہہ رہے ہیں اور دیوبندی محدث صاحب ائمہ اربعہ کی تقلید کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز اور اجماع کے مخالف بتا رہے ہیں) یا سعید احمد الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۲۱) ماسٹر امین اوکاڑوی نے اہل حدیث کے خلاف جلی حروف میں لکھا:

''مخالفت اجماع کی دوسری مثال غیر مقلدین تین طلاقوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کو خطا کار بتاتے ہیں اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام کا جو اجماع ہوا ہے، اس سے صرف نظر اور اعراض کرتے ہیں'' (تجلیاتِ صفدر ج۳ ص ۲۱۶)

جبکہ دوسری طرف آلِ تقلید کے شمس العلماء شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ''حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہؓ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا، اور آئمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے استقراء سے اِس قسم کے مسائل کی تعداد کم وبیش ایک ہزار بتاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں دیگر صحابہ نے ان سے اختلاف کیا، ان میں سے بعض مسائل میں جن صحابہؓ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً۔ تیمّم۔ جنابت۔ منع تمتع حج۔ طلقات ثلث، وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے، دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے'' (الفاروق ص ۳۸۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین اوکاڑوی اجماع کا دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے یا ان کے شمس العلماء شبلی نعمانی اجماع کا انکار اور مخالفت کی وجہ سے جھوٹے اور دوزخی ہیں کیونکہ امین اوکاڑوی نے خود لکھا ہے: ''اجماع امت کا مخالف بنص کتاب وسنت دوزخی ہے'' (تجلیات صفدر ج۱ ص ۲۸۷)

تنبیہ: سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ''دورِ حاضر کے مشہور اور معتبر مؤرخ مولانا

شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ ....'' (الکلام المفید ص ۲۴۷)

۲۲) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''مجتہد اور مقلد کا مطلب تو آپ نے جان لیا، اب غیر مقلد کا معنی بھی سمجھ لیں کہ جو نہ خود اجتہاد کر سکتا ہو اور نہ کسی کی تقلید کرے یعنی نہ مجتہد ہو نہ مقلد۔ جیسے نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی، لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے یہ غیر مقلد ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۷۷)

دوسری طرف دیوبندیوں کے ''حکیم الامت'' اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں:

''امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے'' (مجالس حکیم الامت ص ۳۴۵)

اب دیوبندی بتائیں! کہ کیا امام ابوحنیفہ ایسے ہی تھے جیسی تعریف غیر مقلد کی ماسٹر امین نے کی ہے یا ماسٹر امین الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔

۲۳) ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا: ''فرقہ غیر مقلدین کا بانی عبدالحق بنارسی ہے''

(تجلیات صفدر ج ۳ ص ۶۳۳)

جبکہ دیوبندیوں کے ''حضرت مولانا'' انصر باجوہ لکھتے ہیں: ''نوٹ: یہ مذکورہ اشعار غیر مقلدین کے بانی نواب صدیق حسن خان کے ہیں'' (قافلہ حق ج ۱ شمارہ نمبر ۴ ص ۲۱)

یاد رہے کہ دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر گکھڑوی اپنے قلم سے نواب صدیق حسن خان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ یاد رہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور پکے حنفی تھے جن سے روحانی فیض حاصل کرنے کیلئے نواب صاحبؒ کو ان سے بیعت ہو کر نقشبندی طریقہ میں منسلک ہونا پڑا'' (طائفہ منصورہ ص ۲۷، ۲۸)

مولانا عبدالحق بنارسی اور نواب صدیق حسن خان سے صدیوں پہلے وفات پانے والے محدث ابن حزمؒ کے بارے میں سرفراز صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''مشہور محدث ابن حزم (غیر مقلد) اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں'' (الکلام المفید ص ۸۰)

تنبیہ: بریکٹوں میں غیر مقلد کا لفظ خود سرفراز صاحب نے ہی لکھا ہے۔

بلکہ خود ماسٹر امین نے امام ابن حزم کو غیر مقلد قرار دیا۔ دیکھئے تجلیات صفدر (ج ۲ ص ۵۹۲)
دوسری جگہ لکھا: ''غیر مقلد ابن حزم فرماتے ہیں'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۲۹۶)

کوئی دیوبندی مولانا عبدالحق بنارسی کو غیر مقلدین کا بانی کہہ رہا ہے تو کوئی دیوبندی نواب صدیق حسن خان کو غیر مقلدین کا بانی کہہ رہا ہے اور کوئی دیوبندی نواب صاحب کو نقشبندی کہہ رہا ہے اوران سے پہلے وفات پانے والے محدث ابن حزم کو بھی غیر مقلد کہہ رہا ہے۔ اب دیوبندی بتائیں! کہ ان دیوبندیوں میں سے جھوٹا کون ہے؟ یا سارے دیوبندی جھوٹ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں؟!

۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے نماز شروع کرتے وقت، رکوع جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کی ایک صحیح حدیث سنن ابی داود (۷۳۰) وغیرہ کتبِ حدیث میں موجود ہے کہ انھوں نے یہ حدیث دس صحابہ کرام کی موجودگی میں بیان فرمائی اوران صحابہ میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس صحیح حدیث کے انکار کے لئے غلط روایتوں کا سہارا لیا اور اپنے ہی اصول کے مطابق اجماع کے مخالف بنے، چنانچہ اپنی تائید میں امام طحاوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''وہ حدیث جو محمد بن عمرو بن عطاء نے روایت کی ہے وہ غیر معروف اور غیر متصل ہے۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ابوحمید کی مجلس میں ابوقتادہ حاضر تھے، حالانکہ ابوقتادہ بہت عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے (طحاوی ص ۱۷۹ جلد ۱) موسیٰ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور سات تکبیریں کہیں۔ (طحاوی ص ۳۳۳، جلد ۱)'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۲۹۵)

ماسٹر امین مزید لکھتے ہیں: ''امام ہشیم بن عدی فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ ۳۸ھ میں فوت ہوئے (البدایہ والنہایہ ص ۶۸ ج ۸)'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۲۹۵)

ماسٹر امین کی بیان کردہ روایت کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور سات تکبیریں کہیں۔ اس روایت کے متعلق امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وھو غلط

لإجماع أهل التواريخ ''یعنی یہ روایت اہل تاریخ کے نزدیک بالاجماع غلط ہے۔
(معرفۃ السنن والآثار ج ا ص ۵۵۸، الحدیث نمبر ۱۸ص ۲۱)
اور ظاہر ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے اجماع نقل کرنے کے بعد ماسٹر امین نے اس روایت سے استدلال کر کے اجماع کی مخالفت کی ہے بلکہ یہ روایت خود ماسٹر امین کے اپنے اصول کے مطابق بھی اجماع کے خلاف تھی کیونکہ ماسٹر امین اوکاڑوی خود کتاب الآثار سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ اب جنازہ چار ہی تکبیروں سے پڑھا جائے گا'' (تجلیات صفدر ج ۲ص ۵۸۷)
ماسٹر امین اوکاڑوی نے تو اپنے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اجماع کا مخالف بنادیا (نعوذ باللہ) کیونکہ ۳۸ھ سے پہلے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے۔
(دیکھئے الفاروق از شبلی نعمانی ص ۱۸۰، مکتبہ امدادیہ ملتان)
جبکہ اجماع کے مخالف کے متعلق ماسٹر امین نے خود لکھا ہے: ''اجماع امت کا مخالف بنص کتاب وسنت دوزخی ہے'' (تجلیات صفدر ج اص ۲۸۷)
اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین اجماع کی مخالفت کی وجہ سے دوزخی ہے یا الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔
تنبیہ: ماسٹر امین اوکاڑوی کے ''امام'' ہیثم بن عدی کے متعلق امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کوفي ليس بثقة ، كذاب'' (الجرح والتعدیل ۸۵/۹، الحدیث حضرو: ۱۸ص ۲۰)
۲۵) مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ''لہٰذا یہ کہنا کہ ابوعوانہؒ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں محض خوش فہمی پر مبنی ہے جس طرح سنن نسائی کو، اور جامع ترمذی کو بعض نے صحیح کہا ہے مگر ان کی تمام روایات صحیح نہیں یا جیسے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ہیں کہ ان کی بھی تمام تر روایات صحیح نہیں'' (توضیح الکلام ۲۶۴/۲)
اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں:
''اثری صاحب کو صاف گوئی کی عادت نہیں ورنہ عوام کو صاف طور پر سمجھا دیتے کہ ترمذی

اور نسائی صحاح ستہ سے خارج ہیں ان کی سب حدیثیں صحیح نہیں۔'' (تجلیات صفدر ۹۸/۷)

دوسری طرف دیوبندیوں کے امام سرفراز صاحب بھی ترمذی اور نسائی کی سب حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو صحیح مسلم کی سب حدیثوں کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ تفصیل کے لئے احسن الکلام جلد۲ کا مطالعہ کریں بلکہ ماسٹر امین اوکاڑوی بھی کتبِ ستہ مثلاً سنن ابی داود وغیرہ کی تمام حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مثلاً دیکھئے مجموعہ رسائل (ج ۱ص ۱۵۱، ۲۰۳، تحقیق مسئلہ آمین ص ۳۹، تحقیق مسئلہ رفع یدین ص ۲۷) وغیرہ بلکہ اوکاڑوی صاحب تو صحیح بخاری کے ثقہ راویوں پر بھی جرح کرتے تھے۔ دیکھئے مجموعہ رسائل (ج ۱ص ۲۰۲، تحقیق مسئلہ رفع یدین ص ۲۶)

اب دیوبندی بتائیں! کہ خود ماسٹر صاحب کو اور اُن کے امام سرفراز کو صاف گوئی کی عادت نہیں یا ماسٹر امین اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۲۶) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی طحاوی حنفی سے نقل کرتے ہیں کہ ''...حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیں، اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی جلد ۱ص ۲۳)'' (تجلیات صفدر ج ۵ص ۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز صفدر لکھتے ہیں:

''اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی عدالت اور عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے اور....'' (خزائن السنن ۱/۱۹۱، ۱۹۲)

لیکن اوکاڑوی کے مربی و محسن اور دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز صفدر نے دوسری جگہ اپنے اس اصول اور اوکاڑوی کی ڈٹ کر مخالفت کی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت بھی ساقط کردی (نعوذ باللہ)

چنانچہ سرفراز صفدر نے ما زاد علی الفاتحۃ کی قراءت کو واجب ثابت کرنے کے لئے ایک روایت یوں نقل کی: ''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ ان لا صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب و ما تیسَّر'' (موارد الظمان ص۱۲۶) ''

اس کے بعد لکھتے ہیں: ''حضرات! فنِ روایت میں اس سے بڑھ کر کسی روایت کی صحت ناممکن ہے فصاعداً اورما تیسَّر کے علاوہ مازاد کی زیادت بھی مروی ہے۔(جزأ القراءۃ ص٦٣، کتاب القرأۃ ص ١٢، مستدرك جلد١ ص ٢٣٩ اور سنن الکبریٰ جلد٢ ص ٣٧ وغیرہ)'' (احسن الکلام ج۲ص۱۳۱طبع جدید)

مازاد کی زیادت والی جس روایت کا حوالہ سرفراز صفدر نے دیا ہے وہ بھی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہی روایت ایک اور دیوبندی فقیر اللہ نامی نے اس طرح نقل کی ہے:

''عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم امره ان يخرج ينادى فى الناس ان لا صلوٰة الا بقراءة فاتحة الكتاب فمازاد (المستدرك ج١ ص٢٣٩)''

(خاتمۃ الکلام ص۵۵۶)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ان دو روایات کو صحیح قرار دے کر دیوبندی علماء نے یہ مطلب لیا ہے کہ فاتحہ سے زائد قراءت بھی ضروری ہے۔لیکن اس کے برعکس صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں صرف فاتحہ کی قراءت ہی ضروری ہے اور فاتحہ سے زائد قراءت صرف بہتر ہے۔جب اہلِ حدیث علماء نے دیوبندیوں کے دعویٰ کو باطل ثابت کرنے کے لئے دیوبندی اصول کے مطابق سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول پیش کیا تو سرفراز صفدر سے جب اس قول کی سند پر کلام کرنے کی ہمت نہ ہوسکی تو اس کا جواب یوں دینے کی کوشش کی:

''الغرض ما زاد علی فاتحہ کی نفی پر صریح، صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ما زاد، ما تیسر اور فصاعداً کی روایتیں بالاتفاق صحیح صریح اور مرفوع ہیں پھر ان کا انکار محض تعصب ہے۔۴۔مبارکپوری صاحبؒ نے کفایتِ سورۂ فاتحہ پر حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت پیش کی ہے۔وہ ان کیلئے ہرگز مفیدِ مطلب نہیں ہوسکتی۔کیونکہ وہ حضرت ابوہریرہؓ

پر موقوف ہے اور کسی مرفوع اور صحیح روایت میں اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں''

(احسن الکلام ج ۲ص ۳۴، ۳۵ طبع جدید)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ ''اور یہاں تو یہ قول فصاعدًا ، ماتیسر اور مازاد کے مخالف ہے پھر یہ کیسے حجت ہوگا؟ (احسن الکلام ج ۲ص ۳۵ طبع جدید)

قارئین کرام! دیکھئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو ان ہی کی احادیث کے مخالف بتا کر ان دیوبندیوں نے اپنے ہی اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط کر دی ہے یا نہیں؟ کیا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی دیوبندیوں کے نزدیک متعصب تھے؟

نیز محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، ائمہ ہدیٰ اور اکابر امت نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا۔ اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔''

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص ۳۷، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۲۵)

اب دیوبندی بتائیں! کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کا مطلب لینے کی وجہ سے سرفراز صفدر، فقیر اللہ اور ان کے ہم نوا دیگر دیوبندی گمراہ ہیں یا نہیں؟

۲۷) ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں: ''یہی حال ان نام نہاد اہلحدیثوں کا ہے، کوئی حدیث ان کی خواہش نفس کے مطابق ہو تو بہت خوش ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی حدیث ان کی خواہش نفس کے خلاف ہو تو اس حدیث کو جھٹلانے میں یہود کو بھی مات کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کو پوری قوت سے شہید کر دیتے ہیں۔ یہی حال بالکل یہاں ہوا کہ ''تحت السرہ'' کا لفظ ان کی خواہش نفس کے خلاف تھا اس لیے باقی روایات میں آیا ان کو ضعیف کہہ کر جھٹلا دیا مگر ابن ابی شیبہ میں ''تحت السرہ'' کے لفظ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا، ہر جاہل و عالم غیر مقلد اس کے انکار کو ہی اپنا دین و ایمان جانتا ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۲ص ۲۳۷)

جبکہ دوسری طرف دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی اسی حدیث پر یوں تبصرہ

کرتے ہیں:

''دلائل احناف:

حنفیہ کی طرف سے سب سے پہلی دلیل حضرت وائل کی مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت ہے: ''قال رأيت النبي صلّى الله عليه وسلّم يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة'' لیکن احقر کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اول تو اس لئے کہ اس روایت میں ''تحت السرة'' کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگرچہ علامہ نیمویؒ نے ''آثار السنن'' میں ''مصنف'' کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ اُن میں یہ زیادتی مذکور ہے، تب بھی اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے، نیز حضرت وائل بن حجرؓ کی یہ روایت مضطرب المتن ہے، کیونکہ بعض میں ''على صدره'' اور بعض میں...''عند صدره'' اور بعض میں ''تحت السرة'' کے الفاظ مروی ہیں اور اس شدید اضطراب کی صورت میں کسی کو بھی اس سے استدلال نہ کرنا چاہئے'' (درس ترمذی ج۲ص۲۳، ۲۴)

اب دیوبندی بتائیں! کہ تقی عثمانی نے ماسٹر امین کی پیش کردہ روایت سے استدلال کا انکار کر کے یہود کو مات کر دیا ہے اور حدیث کو شہید کر دیا ہے یا پھر ماسٹر امین الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۲۸) منیر احمد ملتانی دیوبندی لکھتے ہیں: ''اجتہادی مسائل شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ مسائل جو کتاب وسنت میں مذکور نہیں جیسے مکوڑا، مچھر بھڑ وغیرہ کھانے میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟ انتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری، ٹیلی فون کے ذریعے نکاح، روزے میں انجکشن وغیرہ۔ (۲) وہ مسائل جن کے ادلہ متعارض ہیں جیسے رفع یدین، قراءۃ خلف الامام وغیرہ مسائل میں اثبات ونفی کی حدیثیں موجود ہیں اور محدثین نے کتب حدیث میں دونوں قسم کے باب قائم کر کے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں (۳) وہ مسائل جن کے ادلہ میں تعارض نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے ان میں کئی احتمالات ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ قروء جمع ہے قرأ کی۔قرأ کے معنی لغت میں حیض بھی ہے اور طہر بھی امام شافعی نے طہر والا معنی مراد لیا ہے۔یعنی مطلقہ عورتیں تین طہر عدت گزاریں جبکہ امام اعظمؒ نے حیض والا معنی مراد لیا ہے یعنی مطلقہ عورتیں تین حیض عدت گزاریں۔غیر مجتہدین کیلئے ضروری ہے کہ وہ مسائل اجتہادیہ کی تینوں قسموں میں اس مجتہد کی تقلید کریں جو انکے نزدیک کتاب وسنت کا زیادہ ماہر ہے۔اور اس کے اجتہاد میں نسبتاً باقی مجتہدین کے درستی غالب ہے۔اسکے علاوہ ایسے عمل کرنیکا کا کوئی دوسرا طریقہ نہ عقلاً جائز ہے نہ شرعاً!'' (۱۲ مسائل ص ۸،۹، دوسرا نسخہ ص ۱۰،۱۱)

جبکہ دوسری طرف دیوبندیوں کے''امام''سرفراز صفدر لکھتے ہیں:''مسئلہ ترک رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ کی پیروی کرتے ہیں''

(الکلام المفید ص ۲۱۲)

منیر احمد ملتانی نے مسئلہ رفع یدین کو تقلید کا مسئلہ قرار دیا اور اس مسئلہ میں تارک تقلید کو کتاب وسنت کا منکر وغیرہ کہا نیز یہ بھی کہا کہ مسئلہ رفع یدین میں تقلید کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہ عقلاً جائز ہے نہ شرعاً جائز ہے۔

اب دیوبندی بتائیں! کہ سرفراز صفدر مسئلہ رفع یدین میں تقلید کا انکار کر کے کتاب و سنت کا منکر ہے بلکہ نہ اسے عقل ہے اور نہ وہ شریعت کا پابند ہے یا منیر احمد ملتانی الزام لگانے میں جھوٹا ہے کیونکہ سرفراز صفدر میں اجتہاد کی اہلیت نہیں تھی چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

''مگر جس چیز کا نام علمی طور پر اجتہاد ہے راقم اثیم اپنے آپکو واللہ باللہ اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا'' (الکلام المفید ص ۶۷)

۲۹) ایک اہل حدیث عالم محمد ایوب سے مخاطب ہوکر ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ ''ان کا فرض تھا کہ وہ کسی حدیث کی صحت اور ضعف دلیل شرعی سے ثابت کرتے اور دلیل شرعی ان کے ہاں صرف اور صرف فرمان خدا اور فرمان رسول ہے۔جناب ایوب صاحب ابن قیم، ذہبی، ابویعلی، انور شاہ، ابن حبان، خلیل احمد، عینی ابن حجر، ابن قطان، زیلعی، عقیلی

وغیرہ کی تقلید کے پٹوں میں بندھا ہوا ہے۔ پہلے ایوب بروزن عیوب کو بتانا چاہیے تھا کہ وہ ان کو خدا مانتا ہے یا رسول۔ ان کے اقوال کو اپنے دلائل سمجھ کر پیش کیا ہے تو وہ اہل حدیث نہ رہا اور اگر بطورِ الزام پیش کیا ہے تو ایک تو جواب تحقیقی نہ رہا دوسرے یہ جہالت ہے کیونکہ ہم نے کب ان کے اقوال ماننے کا التزام کیا ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۷ ص ۲۰۰، ۲۰۱)

سرفراز صفدر کے بیٹے عبدالحق بشیر نقشبندی لکھتے ہیں: ''اصول اہل سنت والجماعت کی روشنی میں دلائل شرعیہ چار ہیں۔ (۱) قرآن حکیم.... (۲) سنت رسول ﷺ.... (۳) اجماعِ امت (۴) قیاس مجتہد.... ان ہی دلائل اربعہ کو اصول فقہ کہا جاتا ہے۔''

(مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب ص ۱۳)

جبکہ دوسری طرف خود ماسٹر امین ایک حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے لکھتے ہیں:
''اولاً تو یہ حدیث صحیح یا حسن نہیں کیونکہ اس کی سند کے دو راوی ولید بن جمیع اور عبدالرحمٰن بن خلاد ہیں امام ابن قطان فرماتے ہیں لا یعرف حالھما (اعلاء السنن ص ۲۴۵ ج ۴)''

(تجلیات صفدر ج ۷ ص ۱۹۸)

اب دیکھئے ماسٹر امین نے ابن قطان (متوفی ۶۲۸ھ) کے قول کو بطور دلیل پیش کیا ہے تو دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین نے اپنے ہی اصول کے مطابق ابن قطان کا قول اس کو خدا سمجھ کر پیش کیا ہے یا رسول سمجھ کر پیش کیا ہے یا اس نے ابن قطان کے قول کو اجماع کی حیثیت دے رکھی ہے جبکہ خود ماسٹر امین نے ابن قطان کا نام لے کر کہا ہے کہ ''ہم نے کب ان کے اقوال ماننے کا التزام کیا ہے'' اور یہ بھی ماسٹر امین کا قول ہے کہ ''اجماع امت کا مخالف بنص کتاب وسنت دوزخی ہے'' (تجلیات صفدر ج ا ص ۲۸۷)

اب ظاہر ہے ابن قطان کا قول ان کے پہلے تین دلائل میں سے تو ہے نہیں، رہی بات قیاس مجتہد کی تو اب دیوبندی بتائیں! کیا ابن قطان ان کے نزدیک مجتہد ہیں یا مقلد؟ کیا اُن کے نزدیک چار مجتہدین (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) کے بعد کسی اور کی تقلید جائز ہے؟ کیونکہ دیوبندیوں کی کتاب تسہیل ادلہ کاملہ میں لکھا ہوا ہے کہ ''چنانچہ چوتھی

صدی میں پوری امت مسلمہ نے ان چار ائمہ کی تقلید شخصی پر اجماع کرلیا، اوران کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز قرار دیا'' (ادلہ کاملہ ص ۸۵)

نیز اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ''متقدمین مجتہدین کی تقلید بایں وجہ ممنوع قرار دی گئی کہ ان کے علوم مدون نہیں ہوے تھے اور نئے مجتہدین کی تقلید اس لیے ناجائز قرار دی گئی کہ وہ نام نہاد مجتہد تھے''

اب دیوبندی بتائیں! کہ ان دیوبندی اصولوں کے مطابق ماسٹر امین نے ابن قطان کو خدا سمجھ رکھا تھا یا رسول یا ابن قطان کے قول کو اجماع امت سمجھ کر اس کا مخالف بھی تھا؟ یا پھر وہ ابن قطان کو مجتہد سمجھ کر اس کی تقلید کر کے، تسہیل ادلہ کاملہ کے اصول کے مطابق اجماع کی مخالفت کرتا تھا اور اجماع کی مخالفت کر کے وہ اپنے ہی اصول کے مطابق دوزخی تھا اور اہل سنت والجماعت سے خارج تھا؟

نوٹ: ماسٹر امین اوکاڑوی نے جن ائمہ اور اپنے ہی علماء کا نام لکھ کر کہا ہے کہ ہم نے کب ان کے اقوال ماننے کا التزام کیا ہے اگر ان ائمہ یا ان جیسے دیگر ائمہ کے اقوال جن کو خود ماسٹر امین اوکاڑوی یا دیگر دیوبندیوں نے اپنی کتابوں میں بطور دلیل پیش کیا ہے، کو شمار کیا جائے تو شاید ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

اور زکریا تبلیغی صاحب نے اعلان کر رکھا ہے کہ ''لیکن مجھ جیسے کم علم کے لیے تو سب اہل حق معتمد علماء کا قول حجت ہے'' (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص ۱۳۴)

۳۰) ماسٹر امین اوکاڑوی جلی حروف میں لکھتے ہیں:

''غیر مقلدین سے ایک سوال

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں ابوحفص عثمانی وغیرہ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق کتاب وسنت کے مخالف ہے۔'' (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۳۷۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے ''شیخ الاسلام'' ابن ہمام لکھتے ہیں: ''فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدیٰ عشرة ركعة بالوتر فی جماعة ''اس سب کا حاصل (نتیجہ) یہ ہے کہ قیام رمضان (تراویح) گیارہ رکعات مع وتر، جماعت کے ساتھ سنت ہے۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ ج ا ص ۴۰۷، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۹ ص ۴۸)

ماسٹر امین اوکاڑوی اپنے ''شیخ الاسلام'' ابن ہمام کا رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''خود شیخ الاسلام علامہ ابن ہمام فتح القدیر ص ۱۱۵ جلد ا، ص ۱۴۴ جلد ا، ص ۱۸۸ جلد ا۔ میں فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف قرائن وتعامل سے صحیح ہو جاتی ہے پس حدیث ابن عباسؓ کے متعلق علامہ ابن الہمامؒ کا یہ فرمانا ان هذا الاثر ضعيف بابی شيبة ابراهيم بن عثمان متفق علی ضعفه مع مخالفة للصحيح جس طرح خلاف تحقیق ہے اسی طرح خود علامہ صاحب کے مسلمات کے بھی خلاف ہے پس آٹھ رکعت کو سنتِ نبوی کہنا صحیح نہیں''

(تجلیات صفدر جلد ۳ ص ۲۴۵)

اب دیوبندی بتائیں! کہ اوکاڑوی کا لعنتی والا فتویٰ کس پر چسپاں کریں گے؟ کیونکہ ابن ہمام آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی کہہ رہے ہیں اور اوکاڑوی اس کے سنت ہونے کا منکر ہے۔

نیز خود رفع یدین پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کے متعلق اوکاڑوی لکھتا ہے:

''شاہ صاحب کی رائے یہ ہے'' والحق عندی فی مثل ذالك ان الكل سنة کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں سنت ہیں۔ کیا آپ نے ترک رفع یدین کو سنت تسلیم کر لیا ہے؟ پھر ان کی رائے ہے کہ رفع یدین کرنے والا مجھے زیادہ پسند ہے نہ کرنے والے سے اور دلیل یہ دی ہے کہ رفع یدین کی احادیث اکثر اور اثبت ہیں مگر یہ کوئی دلیل نہیں''

(تجلیات صفدر ج ۲ ص ۴۵۱)

اب دیکھئے شاہ ولی اللہ رفع یدین کرنے کو بھی سنت کہہ رہے ہیں لیکن اوکاڑوی اس کا منکر ہے۔ اب دیوبندی بتائیں! کہ اوکاڑوی کا لعنتی والا فتویٰ کس پر چسپاں کریں گے؟

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

تصنیف: حافظ ابن کثیر ترجمہ: حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر ۸)

فرع (۶): جب استاد اپنے شاگرد کو کوئی حدیث سُنائے پھر کہے: ''اسے مجھ سے روایت نہ کرنا'' یا ''میں نے تجھے حدیث سُنانے سے رجوع کرلیا ہے'' یا اس قسم کے الفاظ کہے۔ سوائے خشک (نِری) ممانعت کے کوئی (معقول) وجہ بیان نہ کرے۔ یا بعض لوگوں کو حدیث سُناتے وقت اُن میں سے بعض کی تخصیص کرے اور کہے: ''میں فلاں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ سے کچھ بیان کرے۔'' یہ باتیں اس سے روایت کرنے کے صحیح ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہیں اور اس کی ممانعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایسی حالت میں نسائی نے (شیخ) حارث بن مسکین سے روایتیں بیان کی ہیں اور شیخ ابو اسحاق الاسفرائنی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

سوم: اجازت

اس سے روایت جمہور کے نزدیک جائز ہے اور قاضی ابو الولید الباجی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

ابن الصلاح نے اس دعوے کو یہ کہہ کر توڑ دیا ہے کہ ربیع (بن سلیمان المرادی) نے شافعی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے روایت بالاجازت سے منع کیا ہے۔

(دیکھئے الکفایہ ص ۳۱۷، وسندہ صحیح)

ماوردی نے یہی فیصلہ کیا ہے اور اسے مذہبِ شافعی کی طرف منسوب کیا ہے۔

(دیکھئے ادب القاضی ۱/۳۸۸)

اسی طرح قاضی حسین بن محمد المروذی صاحب ''التعلیقة'' نے اس سے منع کیا ہے۔

ان دونوں نے کہا: ''اگر روایت بالاجازہ جائز ہوتو (احادیث کے سماع کے لئے) سفر کرنا

باطل ہوجاتا ہے۔''

اسی طرح (امام) شعبہ بن الحجاج وغیرہ ائمہ حدیث وحفاظِ حدیث سے مروی ہے۔ [1]

(دیکھئے الکفایہ ص ۳۱۶)

اجازت کو ابراہیم الحربی، ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر الاصبہانی اور ابونصر الوائلی السجزی نے باطل قرار دیا ہے اور سجزی نے اپنے استادوں کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے۔ پھر اجازت کی (کئی) قسمیں ہیں:

اول: کسی متعین شخص کا کسی متعین چیز کے بارے میں کسی متعین شخص کو اجازت دینا مثلاً وہ یہ کہے:

''میں نے تجھے یہ اجازت دی ہے کہ تو مجھ سے یہ کتاب یا یہ کتابیں روایت کرے۔''

اسے مناولہ بھی کہتے ہیں اور جمہور علماء حتیٰ کہ ظاہریہ کے نزدیک بھی یہ جائز ہے لیکن انھوں نے اس پر عمل کے بارے میں مخالفت کی ہے۔ اس میں چونکہ سماع متصل نہیں لہٰذا وہ اسے مرسل کی طرح سمجھتے ہیں۔

دوم: کسی متعین شخص کا کسی غیر متعین چیز کے بارے میں اجازت دینا۔ مثلاً وہ یہ کہے: ''میں نے تجھے یہ اجازت دی ہے کہ تو مجھ سے میری مرویات بیان کرے'' یا ''تیرے نزدیک میری جو روایتیں اور کتابیں صحیح ثابت ہوں (تو انھیں بیان کر)''

اسے بھی جمہور علماء روایات اور عمل کے لحاظ سے جائز سمجھتے ہیں۔

سوم: غیر معین کے لئے اجازت مثلاً یہ کہے کہ ''میں نے تمام مسلمانوں کو مجھ سے روایت بیان کرنے کی اجازت دے دی ہے۔'' یا ''تمام موجود لوگوں'' یا ''جو لا الٰہ الا اللہ'' کہے اسے اجازت دے دی ہے۔ اسے اجازتِ عامہ کہتے ہیں۔

....

(۱) معلوم ہوا کہ روایت بالا جازت کے جائز ہونے پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے لیکن جمہور کا یہی قول ہے کہ یہ جائز ہے اور یہی راجح وصواب ہے۔

حفاظ وعلماء کی ایک جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اسے خطیب بغدادی اوران کے استاد قاضی ابوالطیب الطبری نے بھی جائز قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الکفایہ ص ۴۶۶، دوسرا نسخہ ص ۳۲۵)

اسے ابوبکر الحازمی نے اپنے شیخ ابوالعلاء الہمدانی الحافظ اور مغربی (اندلسی) محدثین رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے۔[1]

رہی مجہول کی اجازت یا مجہول کے ذریعے سے اجازت تو یہ فاسد ہے۔ اس میں سے وہ اجازت نہیں ہے جو اجازت دینے والا ایک خاص جماعت کو دیتا ہے، جن کے اسباب اور تعداد وہ نہیں جانتا کیونکہ یہ تو جائز اور مشہور ہے جس طرح کہ حدیث سنانے والے کو حاضرینِ مجلس کے انساب اور تعداد معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

اور اگر کہے کہ ''میں نے اس کتاب کی روایت بیان کرنے کی اسے اجازت دی ہے جو مجھ سے روایت کرنا پسند کرتا ہے'' تو اسے ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی (حافظ ضعیف جداً متہم بالوضع) نے لکھا ہے اور دوسروں نے جائز قرار دیا ہے۔ ابن الصلاح نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہے: ''میں نے تجھے، تیری اولاد، تیری نسل اور تیرے بعد میں آنے والوں کو اس کتاب کی روایت کی اجازت دی۔'' یا ''میرے لئے جو روایت جائز ہے'' (اس کی اجازت انھیں دی) تو اسے ایک جماعت نے جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے ابوبکر بن ابی داود السجستانی (حافظ صدوق حسن الحدیث) ہیں، انھوں نے ایک آدمی کو کہا:

''میں نے تجھے، تیری اولاد اور جو پیدا ہوں گے انھیں اجازت دے دی ہے۔''

(الکفایہ ص ۴۶۵، دوسرا نسخہ ص ۳۲۵ وسندہ صحیح)

اگر یہ کہے کہ ''فلاں قبیلے میں سے جو موجود ہیں یا ہوں گے میں نے انھیں اجازت دی'' خطیب نے اس کا جواز قاضی ابویعلیٰ ابن الفراء الحنبلی اور ابوالفضل بن عمروس المالکی سے نقل کیا ہے۔

....

(۱) قولِ راجح میں ایسی مجہول وغیر معین اجازت حجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور ابن الصباغ نے اسے ایک گروہ سے نقل کر کے ضعیف قرار دیا اور کہا: یہ اس پر مبنی ہے کہ اجازت اذن یا مُحادثہ (باہم مکالمہ) ہے۔

اسی طرح ابن الصلاح نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

انھوں نے چھوٹے بچے جس سے باتیں نہیں کی جاتیں، کی اجازت کا ذکر کیا ہے۔

خطیب نے کہا کہ انھوں نے قاضی ابوالطیب سے کہا: ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ صرف اسی کی اجازت صحیح ہے جس کا سماع صحیح ہے؟ تو انھوں نے کہا: غائب کو بھی اجازت دی جاتی ہے حالانکہ اس کا سماع صحیح نہیں ہوتا۔ پھر خطیب نے چھوٹے بچے کی اجازت کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا: ہم نے اپنے تمام استادوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ وہ بچوں کو ان کی عمریں پوچھنے کے بغیر ہی اجازت دے دیتے تھے اور ہم نے نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی ایسے شخص کو اجازت دی ہو جو اس وقت موجود نہیں تھا۔ واللہ اعلم (الکفایہ ص ۳۲۵، ۳۲۶)

اگر کہے ''میں تجھے اس کی اجازت دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے اچھی طرح سُنا ہے اور اس کی بھی اجازت دیتا ہوں جو میں سُناؤں گا'' اس میں پہلا بہتر اور دوسرا فاسد ہے۔

ابن الصلاح نے اس (دوسری چیز) کی دلیل نکالنے کی کوشش کی کہ اجازت بھی وکالت کی طرح ایک اذن ہے۔

لہٰذا اگر کہے: ''میں جس چیز کا مالک بنوں گا اُس کے بیچنے کی وکالت تجھے دیتا ہوں'' اس میں اختلاف ہے۔ رہی اس کی اجازت جو خود اسے بطریقِ اجازت حاصل ہے تو جمہور نے اجازت پر اجازت کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ کئی ہوں۔ دارقطنی، ان کے استاد ابوالعباس ابن عقدہ (رافضی، چور)، حافظ ابونعیم الاصبہانی اور خطیب وغیرہ علماء نے اسے جائز کہا ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: اس سے بعض اُن متاخرین نے منع کیا ہے جس کا کوئی شمار نہیں کیا جاتا۔ صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل جائز اور علماء نے اس کی تشبیہ وکیل مقرر کرنے سے دی ہے۔

چوتھی قسم: مُناوَلہ

اگر اس کے ساتھ اجازت (بھی حاصل) ہو جیسے اپنی سُنی ہوئی کوئی کتاب طالب علم کو دے اور اسے کہے: ''اسے مجھ سے روایت کرو۔'' وہ کتاب اسے ہبہ کر دے یا عاریتاً دے دے تاکہ وہ اس سے نقل کر کے اسے لوٹا دے یا طالب علم اُستاد کے سماع والی کتاب لے آئے۔ استاد اسے کھول کر غور سے دیکھے اور پھر کہے: ''اسے مجھ سے روایت کرو۔'' اسے عرض المناولہ کہتے ہیں۔ (1)

حاکم (نیشاپوری) نے کہا: بہت سے متقدمین کے نزدیک یہ سماع کے قائم مقام ہے۔ انھوں نے اسے اہلِ مدینہ میں سے مالک، زہری، ربیعہ (بن ابی عبدالرحمٰن) اور یحییٰ بن سعید الانصاری، اہلِ مکہ میں سے مجاہد، ابوالزبیر اور سفیان بن عیینہ، اہلِ کوفہ میں سے علقمہ، ابراہیم (نخعی) اور شعبی، اہلِ بصرہ میں سے قتادہ، ابوالعالیہ اور ابوالمتوکل الناجی، اہلِ مصر میں سے عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن القاسم اور اشہب، اہلِ شام اور اہلِ عراق اور اپنے اساتذہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۶۰)

ابن الصلاح نے کہا: انھوں نے اپنے کلام میں عرضِ مناولہ کو عرضِ قراءت سے خلط ملط کر دیا ہے۔ پھر حاکم نے کہا: جمہور فقہاءِ اسلام جو حلال وحرام کے بارے میں فتوے دیتے تھے وہ اسے سماع نہیں سمجھتے اور یہی قول: شافعی، ابوحنیفہ، احمد (بن حنبل)، اسحاق (بن راہویہ)، ثوری، اوزاعی، ابن المبارک، یحییٰ بن یحییٰ، بُویطی اور مُزَنی کا ہے۔ ہمارے ائمہ کرام اسی پر گامزن تھے۔ ہم نے انھیں اسی پر پایا ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۶۰، دوسرا نسخہ ص ۱۹۱، ۱۹۲، تیسرا نسخہ ص ۲۷۸، ۲۷۹)

اگر شیخ اسے کتاب نہ ہبہ کرے اور نہ عاریتاً دے تو یہ سابقہ درجے سے نیچے ہے بلکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ تو صرف اجازت ہے۔

....

(۱) پیش کرنا، مُناولہ: کوئی چیز دینا۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: اگر کتاب صحیح بخاری، صحیح مسلم یا دوسری مشہور کتابوں کی طرح مشہور ہوتو یہ اسی طرح ہے جیسے وہ اپنی کتاب اُس کی ملکیت میں یا عاریتاً دے دے۔ واللہ اعلم

اگر اذن (اجازت) کے بغیر صرف مناولہ ہوتو مشہور یہ ہے کہ اس سے روایت جائز نہیں ہے۔ خطیب نے بعض سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ (الکفایہ ص۳۲۱)

ابن الصلاح نے کہا: اگر شیخ بتادے کہ یہ (کتاب) اس کا سماع ہے یعنی اُس نے سُنی ہے تو بعض لوگ مجرد اس وجہ سے روایت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

اجازت والی روایت میں راوی کو''أنبأنا'' کہنا چاہئے اور اگر وہ'' أنبأنا اجازۃً '' کہہ دے تو یہ بہت بہتر ہے۔

متقدمین کی ایک جماعت کے نزدیک ''أنبأنا'' اور ''حدثنا'' کہنا جائز ہے۔

ایک جماعت کا یہ قول گزر چکا ہے کہ عرضِ مناولہ کے ساتھ اگر اجازت بھی ہوتو یہ سماع کے قائم مقام ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی اشکال کے ''حدثنا'' اور ''أخبرنا'' کہتے ہیں۔

قدیم وجدید زمانے کے محدثین کے نزدیک ''حدثنا'' اور ''أخبرنا'' (اجازت کی) قید کے بغیر مطلق بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ اوزاعی اجازت کے لئے ''خبرنا'' کا خاص لفظ استعمال کرتے تھے۔ (دیکھئے الکفایہ ص۳۰۲، ۳۳۰)

پانچویں قسم: مُکاتَبہ

کوئی شخص اگر اپنی حدیثوں میں سے کچھ لکھ کر کسی کی طرف بھیج دے تو اسے مکاتبہ کہتے ہیں۔

اور اگر اس کے ساتھ روایت کی اجازت بھی دے دے تو اس مناولہ کے قائم مقام ہے جس کے ساتھ اجازت بھی موجود ہے۔

اگر اس کے ساتھ اجازت نہ ہوتو ایوب (سختیانی)، منصور لیث (بن سعد) اور کئی شافعی فقہاء وعلمائے اصول نے اس کے ساتھ روایت کو جائز قرار دیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ وہ اسے مجرد اجازت سے زیادہ قوی سمجھتے ہیں۔

ماوردی اسے ممنوع سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم (دیکھئے ادب القاضی للماوردی ۳۸۹/۱)

لیث (بن سعد) اور منصور مکاتبہ میں ''أخبرنا'' اور ''حدثنا'' کہنا جائز سمجھتے ہیں (حالانکہ) بہتر اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس میں مکاتبت کی صراحت کی جائے۔

چھٹی قسم: اعلام الشیخ [شیخ کا اطلاع دینا]

شیخ اگر کسی کو یہ بتادیں کہ یہ کتاب انھوں نے فلاں سے سُنی ہے لیکن وہ اسے روایت کی اجازت نہ دیں تو اسے ''اعلام الشیخ'' کہتے ہیں۔

صرف اس کے ساتھ بھی محدثین وفقہاء کے بعض گروہوں مثلاً ابن جریج نے روایت کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن الصباغ اور متاخرین نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ظاہریوں نے کہا ہے: اگر وہ اسے (اپنا سماع) بتادے اور روایت کرنے سے منع کردے تو اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سے روایت کرے۔ یہ اُسی طرح ہے کہ شیخ اپنی زبانی بیان کردہ روایت سے شاگرد کو منع کردے تو اس کے لئے اسے بیان کرنا جائز ہے۔

ساتویں قسم: وصیت

وصیت اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے لئے اپنی کتاب کی وصیت کرجائے گویا کہ وہ کسی شخص کے لئے روایت کررہا ہے۔

بعض اسلاف نے اس شخص کو اس کتاب کے روایت کرنے کی وصیت کرنے والے سے روایت کی اجازت دی ہے جس کے بارے میں وصیت کی گئی ہے۔ انھوں نے اس کی تشبیہ مناولہ اور روایت کی اطلاع سے دی ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: یہ دور کی بات ہے۔ یہ عالم یا متأول کی غلطی ہے اِلا یہ کہ انھوں نے اس سے وجادہ والی روایت مراد لی ہو۔ واللہ اعلم (۱)

(۱) بعض علماء نے ابن الصلاح کے قول کو ''دور کی بات'' قرار دیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وصیت مناولہ بالا جازت کی قسم ہے۔ واللہ اعلم

آٹھویں قسم: وجادہ

اس کی صورت (اور تعریف) یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی لکھی ہوئی حدیث یا کتاب پالے۔
اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اسے بطورِ حکایت نقل کرے اور کہے: ''میں نے فلاں کے خط سے لکھا ہوا پایا کہ ہمیں فلاں نے حدیث بیان کی'' اور آخر تک سند ومتن بیان کردے۔

اس قسم کی روایتیں مسند الامام احمد میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ (بن احمد بن حنبل) کہتے ہیں: میں نے اپنے ابا کے خط سے لکھا ہوا پایا: ہمیں فلاں نے حدیث بیان کی......'' اور (پھر) وہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

اس شیخ کے لئے یہ کہنا بھی جائز ہے کہ ''فلاں نے کہا'' بشرطیکہ اس میں تدلیس نہ ہو جس سے ملاقات (اور سماع) کا وہم ہوجائے۔

ابن الصلاح نے کہا: بعض لوگوں نے یہ زیادتی کی ہے کہ اس حالت میں مطلق طور پر ''حدثنا'' اور ''أخبرنا'' کہہ دیا ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنے والے پر تنقید کی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے شیخ کے خط کے بغیر ان کی کتابوں میں سے پائے تو کہے: ''فلاں نے ذکر کیا'' یا ''فلاں نے کہا'' یا ''مجھے فلاں سے یہ روایت پہنچی'' یہ اس کتاب کے بارے میں ہے جس کے بارے میں یہ ثابت نہ ہو کہ یہ شیخ کی کتاب ہے یا شیخ کی کتاب کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

میں (ابن کثیر) نے کہا: وجادہ روایت کے باب میں سے نہیں ہے یہ تو اس کی حکایت ہے کہ اس نے کتاب میں لکھا ہوا پایا ہے۔

رہا اس کے ساتھ عمل تو بہت سے یا اکثر فقہاء ومحدثین نے اس سے منع کیا ہے جیسا کہ بعض نے اُن سے نقل کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے الارشاد للخلیلی ۲/۴۲۳)

شافعی اور اصحابِ شافعی کے ایک گروہ سے اس پر عمل کا جواز مروی ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: بعض محققینِ اصحابِ شافعی نے اصول میں اس پر وجوبِ عمل کا

فیصلہ کیا ہے جب اس پر اعتماد حاصل ہو جائے۔

ابن الصلاح نے کہا: ان پچھلے زمانوں میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں روایت کی شرطیں (عام طور پر) ناممکن الحصول ہیں۔ یعنی مجرد وجادات ہی رہ گئے ہیں۔

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں: نبی ﷺ سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگوں میں تمھیں کس کا ایمان زیادہ پسند ہے؟ لوگوں نے کہا: فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیوں نہ ایمان لائیں وہ تو رب کے پاس ہیں؟ لوگوں نے انبیاء (کے ایمان) کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے کہا: پھر (کیا) ہم مراد ہیں؟

آپ نے فرمایا: تم کیسے ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں؟

صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! پھر یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمھارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو صحیفے (لکھی ہوئی کتابیں) پائیں گے تو ان پر ایمان لے آئیں گے۔

ہم نے اس حدیث کو سند و متن کے ساتھ صحیح بخاری کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم [۱]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ (معتبر) کتابوں کو مجرد وجادت کے ساتھ پانے پر عمل کرنا اچھی بات ہے۔ واللہ اعلم [۲]

....

(۱) میرے نزدیک یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

دیکھئے حاشیہ اختصار علوم الحدیث (۱/۳۶۹-۳۷۰) اور المستدرک (۴/۸۵ ح ۶۹۹۳) وغیرہما

(۲) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کے بعد والے لوگوں کو صرف اس لحاظ سے ترجیح حاصل ہے کہ وہ لکھی ہوئی کتابوں پر عمل کریں گے۔ مطلق ترجیح حاصل نہیں ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۱/۶۶

احسن الحدیث ابومعاویہ منشاء سلفی

اللہ ایک ہے

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کہہ دو! وہ اللہ ایک ہے۔ (سورۃ الاخلاص:۱)

فقہ القرآن:

۱: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی گئی ہے کہ وہ اکیلا (معبود برحق) ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں لہٰذا عبادت صرف اُسی کی ہی کرنی چاہئے۔

۲: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ایک شخص کو دیکھا جو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ باربار پڑھ رہا تھا، جب صبح ہوئی تو اُس نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((والذي نفسي! بيده إنها لتعدل ثلث القرآن)) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری:۵۰۱۳، الموطأ للامام مالک ۱/۲۰۸ ح ۴۸۶، روایۃ ابن القاسم:۳۹۱)

قرآنِ کریم کے بنیادی مضامین تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت

سورۃ الاخلاص میں چونکہ توحید بیان کی گئی ہے لہٰذا یہ قرآن کا ثلث یعنی ایک تہائی ہے۔

۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو ہر رکعت (میں قراءت) کا اختتام ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پر کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا تھا؟ اس صحابی نے فرمایا: یہ رحمٰن کی صفت ہے لہٰذا میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بتادو کہ اس سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (صحیح بخاری:۷۳۷۵، صحیح مسلم:۸۱۳)

۴: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سورۃ الاخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے تھے اور پھر اپنے جسم پر ہاتھ پھیر لیتے تھے، آپ یہ عمل تین دفعہ کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۵۰۱۷)

کلمۃ الحدیث　　اعظم المبارکی

اہلِ حدیث ہی اہلِ حق ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اُس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اُسے یاد کرلیا تاکہ دوسرے تک پہنچا دے، بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا، اُس تک پہنچا دیتا ہے جو اُس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا۔ (سنن الترمذی: ۲۶۵۶ وسندہ صحیح وقال الامام الترمذی: ''حدیث حسن'' وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۶۷۹)

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں مثلاً: نبی ﷺ نے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے یعنی اہلِ حدیث کی تعریف فرمائی۔ اہلِ حدیث (محدثینِ کرام اور متبعینِ حدیث) اہلِ حق ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کے مشہور امام شیخ الاسلام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی الاصبہانی المعروف: قوام السنۃ (متوفی ۵۳۵ھ رحمہ اللہ) نے فرمایا: اور اُن دلائل میں سے کہ اہلِ حدیث ہی اہلِ حق ہیں، یہ دلیل بھی ہے... (الحجۃ فی بیان المحجۃ وشرح عقیدۃ اہل السنۃ ج ۲ ص ۲۲۴ فقرہ: ۲۰۵)

آج کل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ حدیث تو صرف محدثینِ کرام کا لقب ہے، چاہے وہ صحیح العقیدہ تھے یا بدعقیدہ مثلاً شیعہ وغیرہ !!

عرض ہے کہ اہلِ حدیث تو صحیح العقیدہ محدثینِ کرام اور حدیث پر عمل کرنے والے لوگوں کا ہی صفاتی نام اور مشہور لقب ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۴/۹۵، اور ماہنامہ الحدیث: ۲۹ ص ۱۶)

ایک راویٔ حدیث عمران بن قدامہ العمی کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا: وہ اہلِ حدیث میں سے نہیں تھا۔ (الجرح والتعدیل ۶/۳۰۶ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی امام سلیمان التیمی رحمہ اللہ کے بارے میں امام یحییٰ القطان نے فرمایا: ہمارے نزدیک التیمی اہلِ حدیث میں سے تھے۔ (الجرح والتعدیل ۴/۱۲۵، وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۹ ص ۲۲)

معلوم ہوا کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری سے اہلِ حدیث روئے زمین پر موجود ہیں اور یہی اہلِ حق ہیں۔ والحمد للہ